سورۃ القصص

آیاتہا ۸۸ ۔ ۲۸ سورۃ القصص مکیۃ ۴۹ ۔ رکوعاتہا ۹

حضرت حسن بصری، عکرمہ اور عطا کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: مگر ایک آیت مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان نازل ہوئی۔ ابن سلام نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے تو یہ جحفہ کے مقام پر نازل ہوئی وہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ مقاتل نے کہا: اس میں مدنی آیات یہ بھی ہے اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓىٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ٘ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ٘ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ ﴿۵۵﴾ اس کی اٹھاسی آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ﴿۲﴾ نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآىٕفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ یَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۴﴾ وَ نُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَىٕمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿۵﴾ وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَ نُرِیَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ ﴿۶﴾

”طا، سین، میم، یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی۔ ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو موسیٰ اور فرعون کا کچھ واقعہ ٹھیک ٹھیک ان لوگوں (کے فائدہ) کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ بے شک فرعون متکبر (وسرکش) بن گیا سرزمین (مصر) میں اور اس نے بنا دیا وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ وہ کمزور کرنا چاہتا تھا ایک گروہ کو ان میں، یہ ذبح کیا کرتا ان کے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑ دیتا ان کی عورتوں کو، بے شک وہ فساد برپا کرنے والوں سے تھا۔ اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان لوگوں پر جنہیں کمزور بنا دیا گیا تھا ملک (مصر) میں اور بنا دیں انہیں پیشوا اور بنا دیں انہیں (فرعون کے تاج وتخت کا) وارث اور تسلط بخشیں انہیں سرزمین (مصر) میں اور ہم دکھائیں فرعون اور ہامان

اور ان کی فوجوں کو ان کی جانب سے (وہی خطرہ) جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے"۔

طٰسٓمّٓ اس کے متعلق گفتگو گزر چکی ہے۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ تلك محل رفع میں ہے یہ ھذہ، تلك کے معنی میں ہے آیات اس سے بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ تتلو کی وجہ سے محل نصب میں ہو۔ آیات اس سے بدل ہو تو اس کو نصب دے گا جس طرح تو کہتا ہے: زیدا ضربت۔

الْمُبِيْنِ اس کی برکت اور خیر کو واضح کرنے والی ہے، حق کو باطل سے واضح کرنے والی ہے، حلال کو حرام سے واضح کرنے والی ہے۔ انبیاء کے قصے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو واضح کرنے والی ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: بان الشیء و أبان شے واضح ہو گئی۔ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور قارون کے قصہ کا ذکر کیا اور قریش کے مشرکین کے خلاف استدلال کیا۔ اور اس امر کو واضح کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قارون کی رشتہ داری نے قارون کو اس کے کفر کے ساتھ کوئی نفع نہ دیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریش کی قرابت انہیں کوئی نفع نہ دے گی۔ اس امر کو واضح کیا کہ فرعون نے زمین میں بالادستی اور ظلم کو اپنایا یہ اس کے کفر میں سے ایک صورت تھی اسے چاہیے کہ زمین میں بالادستی سے اجتناب کرتا اسی طرح کثرت مال سے غلبہ حاصل کرنا یہ فرعون اور قارون کی سیرت ہے۔ نَتْلُوْا عَلَيْكَ جبریل امین ہمارے حکم سے تم پر پڑھتے ہیں مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ یعنی دونوں کی خبریں۔ مِنْ بعضیہ ہے مِنْ نَّبَاِ، نتلو کا مفعول ہے یعنی ہم ان کی بعض خبریں تم پر تلاوت کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تنبت بالدھن اور بالحق کا معنی ہے اس سچائی کے ساتھ جس میں شک اور جھوٹ نہیں۔ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ اس قوم کے لیے جو قرآن کی تصدیق کرتی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جو ایمان نہ لایا تو یہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ یہ حق ہے۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ اس نے تکبر کیا اور جبر کو اپنایا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اس نے اپنے کفر کی وجہ سے اپنے رب کی عبادت سے اپنے نفس میں بڑائی کو پایا اور ربوبیت کا دعویٰ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے ملک اور بادشاہت کی وجہ سے اپنے ماتحت لوگوں سے بڑا اور بلند ہو گیا۔ فِي الْاَرْضِ سے مراد مصر کا علاقہ ہے۔ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا خدمت میں مختلف جماعتیں اور صنفیں بنا دیا۔ اعشی نے کہا:

حتی تراہ علیھا یبتغی الشیعا

یہاں تک کہ تو اسے اس پر پائے گا کہ وہ جماعتوں کی خواہش کرتا ہے۔

يَّسْتَضْعِفُ طَآىِٕفَةً مِّنْهُمْ، طَآىِٕفَةً مِّنْهُمْ ضمیر سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ يَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ اس بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ میں يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ (آیت 49) کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کاہنوں نے کہا: ایک بچہ بنی اسرائیل میں پیدا ہو گا تیری بادشاہت اسی کے ہاتھ پر ختم ہو جائے گی یا نجومیوں نے اسے یہ کہا تھا یا اس نے خواب دیکھا تو اس کی یہ تعبیر لی۔

زجاج نے کہا: اس کی حماقت پر تعجب ہے کہ وہ یہ نہ جان سکا کہ اگر کاہن نے سچ بولا ہے تو قتل اسے کوئی نفع نہ دے گا اور

اگر اس نے جھوٹ بولا تو قتل کا کوئی فائدہ نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے ان کے کئی گروہ بنا دیئے جنہوں نے بنی اسرائیل کی ہر جماعت کا اس کے عمل پر مذاق اڑایا۔ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ وہ زمین میں عمل، معاصی اور ظلم و جبر کے ساتھ فساد برپا کرنے والا تھا۔

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ ہم ان پر فضل و احسان فرماتے ہیں اور ہم ان پر انعام کرتے ہیں یہ حکایت گزر چکی ہے وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بھلائی میں قیادت کرنے والے۔ مجاہد نے کہا بھلائی کی طرف دعوت دینے والے۔ قتادہ نے کہا: والی اور بادشاہ۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَّجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا (المائدہ:20) میں کہتا ہوں: یہ عام ہے کیونکہ بادشاہ امام ہوتا ہے اس کی اقتدا کی جاتی ہے۔ وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ فرعون کے ملک کے وارث بنانے والے ہیں وہ اس کے وارث بنیں گے اور قبطیوں کے مسکنوں میں رہائش رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا (الاعراف:137) کا یہی معنی ہے۔

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ ہم انہیں زمین اور اس کے اہل پر قدرت حاصل کرنے والے بنا دیں گے یہاں تک کہ شام اور مصر کے علاقہ پر والی بنا دیا جائے گا۔ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہم فرعون کو دکھائیں۔ اعمش، یحییٰ، حمزہ، کسائی اور خلف نے یری یاء کے ساتھ قراءت کی ہے۔ کہ یہ فعل ثلاثی ہے جو رای سے مشتق ہے۔ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مرفوع ہیں کیونکہ یہ فعل کے فاعل ہیں۔ باقی قراء نے نری نون کے ضمہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ فعل رباعی ہے اری، یری سے مشتق ہے یہ سیاق کلام کے مطابق ہے کیونکہ اس سے ماقبل نرید اور اس کے بعد نمکن ہے۔ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ فراء نے ویری فرعون یاء کے ضمہ راء کے کسرہ اور آخری یاء کے فتحہ کے ساتھ قراءت کو جائز قرار دیا ہے معنی ہے اللہ تعالیٰ فرعون کو دکھائے۔ مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں خبر دی گئی کہ ان کی ہلاکت بنی اسرائیل کے ایک آدمی کے ہاتھ پر ہوگی وہ اس وجہ سے بنی اسرائیل سے خوفزدہ تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ کچھ دکھا دیا جس سے وہ ڈرتے تھے۔ قتادہ نے کہا: فرعون کا ایک نجومی تھا اس نے کہا: اس سال ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیرا ملک چھین لے گا۔ فرعون نے اس سال بچوں کے قتل کا حکم دے دیا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِــِٕيْنَ ۝ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

"اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے (بے خطر) دودھ پلاتی رہ، پھر جب اس کے متعلق تمہیں

اندیشہ لاحق ہو تو ڈال دینا اسے دریا میں اور نہ ہراساں ہونا اور نہ غمگین ہونا یقینا ہم لوٹا دیں گے اسے تیری طرف اور ہم بنانے والے ہیں اسے رسولوں میں سے۔ پس (دریا سے) نکال لیا اسے فرعون کے گھر والوں نے تاکہ (انجام کار) وہ ان کا دشمن اور باعث رنج والم بنے، بے شک فرعون، ہامان اور ان کے لشکری خطا کار تھے اور کہا فرعون کی بیوی نے: (اے میرے سرتاج!) یہ بچہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرنا شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے اپنا فرزند بنالیں اور وہ (اس تجویز کے انجام کو) نہ سمجھ سکے''۔

وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوْسٰۤی اَنْ اَرْضِعِیْهِ وحی کا معنی اور اس کے مصداق کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف جو وحی کی گئی ہے اس میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا کہنا ہے: یہ قول اس کی نیند میں کیا۔ قتادہ نے کہا: وہ الہام تھا۔ ایک جماعت نے کہا: وہ فرشتہ تھا جو مثالی شکل میں اس کے پاس آیا تھا۔ مقاتل نے کہا: حضرت جبریل امین یہ پیغام لائے تھے۔ اس تعبیر کی بنا پر وہ وحی اعلام تھی الہام نہیں تھا۔ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے وہ نبی نہ تھیں۔ اس کی طرف فرشتے کے بھیجنے کی صورت وہی تھی جس طرح فرشتے نے اقرع، ابرص اور اعمیٰ سے گفتگو کی تھی جس کا ذکر حدیث مشہور میں ہے امام بخاری اور امام مسلم نے اسے نقل کیا ہے سورۂ براءۃ میں ہم نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی مروی ہے کہ فرشتوں نے لوگوں سے ان کی نبوت کے بغیر کلام کیا۔ عمران بن حصین کو سلام کیا وہ نبی نہیں تھا اس کا نام ایار خا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ کی ماں کا نام ایارخت تھا؛ سہیلی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا نام لوحابنت ہاند بن لاوی بن یعقوب تھا۔

اَنْ اَرْضِعِیْهِ عمر بن عبدالعزیز نے ان ارضعیہ نون کے کسرہ اور الف وصل کی صورت میں پڑھا ہے۔ ارضع کے ہمزہ کو تخفیف کے طریقہ پر حذف کیا پھر دو ساکنوں کے جمع ہونے کی وجہ سے نون کو کسرہ دیا۔ مجاہد نے کہا: یہ وحی ولادت سے پہلے رضاعت کے بارے میں تھی۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ وحی ولادت کے بعد تھی۔ سدی نے کہا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جنا تو انہیں حکم دیا گیا کہ وہ ولادت کے بعد اسے دودھ پلائیں اور اس بچے کے ساتھ وہ کچھ کریں جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے کیونکہ خوف ولادت کے بعد شروع ہوا تھا۔ ابن جریج نے کہا: انہیں حکم دیا گیا کہ چار ماہ تک ایک باغ میں دودھ پلائیں اور جب اس کے چیخنے کا خوف ہوا (کیونکہ ان کا دودھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے کافی نہ تھا) تو اس وقت انہوں نے یہ کہا۔ پہلا قول زیادہ نمایاں ہے مگر دوسرے قول کی تائید فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ کے الفاظ کرتے ہیں اذا یہ زمانہ مستقبل کے لیے آتا ہے روایت بیان کی جاتی ہے انہوں نے بردی لکڑی کا تابوت بنایا اس کے اندر کی جانب تارکول ملا، اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رکھا اور دریائے نیل میں اسے بہا دیا۔ اس کی وضاحت سورۂ طٰہٰ میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب بنی اسرائیل مصر میں بہت زیادہ ہو گئے تو وہ لوگوں پر اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگے برائیاں کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قبطیوں کو مسلط کر دیا۔ اور انہوں نے بنی اسرائیل کو سخت عذاب میں مبتلا کیا یہاں تک کہ انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر نجات ہوئی۔ وہب نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ

السلام کی تلاش میں ستر ہزار بچے ذبح کیے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: نوے ہزار بچے ذبح کیے۔ یہ روایت کی جاتی ہے جب ولادت کا عمل قریب آیا اور آپ کی ماں کو دردزہ شروع ہوا اور ایک دائی جو بنی اسرائیل کی حاملہ عورتوں پر معین تھی وہ آپ کی والدہ کی مخلص اور محبت کرنے والی تھی۔ آپ کی والدہ نے کہا: ممکن ہے تیری محبت مجھے آج نفع دے اس دائی نے آپ کی والدہ کا علاج کیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام زمین پر آئے تو آپ کی آنکھوں کے درمیان موجود نور نے اسے خوفزدہ کر دیا اس کا ہر جوڑ کانپنے لگا اور آپ کی محبت اس کے دل میں پیوست ہوگئی پھر اس نے کہا: میں تیرے پاس اس لیے آئی تھی کہ تیرے بچے کو قتل کروں اور فرعون کو خبر دوں لیکن میں نے تیرے بیٹے کے لیے ایسی محبت پائی ہے جیسی محبت میں نے کسی کے لیے نہیں پائی اس بچے کی حفاظت کرنا۔ جب دائی نکلی تو فرعون کے جاسوس آ گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اسے ایک کپڑے میں لپیٹا اور دہکتے ہوئے تنور میں ڈال دیا وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ تنور اس بچے کے ساتھ کیا کرے گا وجہ اس کی یہ تھی کہ آپ کی عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے بچے کو تلاش کیا مگر کوئی چیز نہ پائی وہ چلے گئے مگر وہ بچے کی جگہ کو نہیں پہچانتی تھی اس نے تنور سے بچے کے رونے کی آواز سنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ٹھنڈک اور سلامتی والا بنا دیا۔

وَ لَا تَخَافِيْ اس میں دو وجوہ ہیں (۱) تو اس پر غرق ہونے کا خوف نہ کر، یہ ابن زید کا قول ہے۔ (۲) تو اس کے بارے میں ضائع ہونے کا خوف نہ کر۔ **وَ لَا تَحْزَنِيْ** اس میں بھی دو وجوہ ہیں (۱) اس کے فراق پر غمگین نہ ہو؛ یہ ابن زید کا قول ہے (۲) اس کے قتل ہونے کے بارے میں غم نہ کر؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپ کو ایسے تابوت میں رکھا جس کی لمبائی پانچ بالشت اور چوڑائی بھی پانچ بالشت تھی۔ اس کی چابی تابوت کے ساتھ رکھی اور اسے موج کے سپرد کر دیا جب کہ آپ کو چار ماہ تک دودھ پلا چکی تھی۔ دوسرے علماء نے کہا: تین ماہ دودھ پلا چکی تھی۔ کئی دوسرے علماء نے کہا: آٹھ ماہ دودھ پلا چکی تھی؛ یہ کلبی کی حکایت میں ہے۔ حکایت بیان کی گئی ہے جب بڑھئی تابوت بنانے سے فارغ ہو گیا اس نے فرعون کو چغل خوری کی اس نے سپاہی اس کے ساتھ بھیجا جو اسے لے آئے اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں اور دل کو بے نور کر دیا تو وہ راستہ بھول گیا اسے یقین ہو گیا کہ یہ وہی بچہ ہے جس سے فرعون کو خوف ہے تو وہ اسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا وہ آل فرعون کا مومن ہے؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تابوت ان کی والدہ کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا شیطان نے ان کو شرمندہ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے دل میں کہا: اگر وہ میرے پاس ذبح کر دیا جاتا اور میں اسے اپنے ہاتھ سے کفن دیتی اور دفن کرتی تو یہ مجھے زیادہ محبوب ہوتا بنسبت اس کے کہ میں نے سمندر میں پھینکا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ** اہل مصر کی طرف رسول بنا کر بھیجنے والے ہیں۔ اصمعی نے کہا: میں نے ایک بدوی لڑکی کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا۔

استغفر الله لذنبي كله قبلت إنسانا بغير حله
مثل الغزال ناعماً في دله فانتصف الليل ولم أصله

میں اللہ تعالیٰ سے اپنے ہر گناہ پر معافی مانگتی ہوں میں نے بغیر حلت کے ایک انسان کو بوسہ دیا ہے۔ ہرن کی مانند وہ نازو

ادا میں نرم و نازک تھارات آدھی ہوگئی اور میں نے اس کی نماز نہیں پڑھی۔

میں نے کہا: اللہ تعالیٰ تجھے قتل کرے تو کتنی فصیح ہے۔ اس نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ہوتے ہوئے اس کو فصیح شمار کیا جا سکتا ہے وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِیْهِ اللہ تعالیٰ نے اس ایک آیت میں دو امر، دو نہی، دو خبریں اور دو بشارتیں جمع کر دیں۔

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا کیونکہ ان کا اس بچے کو لینا اس امر کی طرف لے جاتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے دشمن ہوں گے اور انہیں غم عطا کریں گے تو لِیَكُوْنَ میں لام عاقبت اور لام صیرورت کا ہوگا؛ کیونکہ انہوں نے تو اس لیے پکڑا تھا تاکہ یہ ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔ اس امر کا انجام یہ تھا کہ یہ ان کے لیے دشمن ہوں گے اور غم کا باعث ہوں گے۔ تو حال کا ذکر مآل کے ساتھ کر دیا۔ جس طرح شاعر نے کہا:

وللمنایا تُرَبِّی کلُّ مُرْضِعَةٍ ودُورُنا لخراب الدهر نَبْنِیها

موتوں کے لیے ہر دودھ پلانے والی پرورش کرتی ہے اور ہم اپنے گھر اس لیے بناتے ہیں کہ زمانہ ان کو کھنڈر بنا دے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

فللموت تَغْذُو الوالداتُ سِخَالَهَا کما لخراب الدهر تُبْنَی المساکنُ

مائیں موت کے لیے اپنے بچوں کو غذا دیتی ہیں جس طرح زمانہ کے برباد کرنے کے لیے گھر بنائے جاتے ہیں۔

تعمیر کا انجام بربادی ہے اگرچہ فی الحال اس پر خوش ہوا جاتا ہے۔ التقاط سے مراد طلب اور ارادہ کے بغیر کسی چیز کو پانا۔ عرب جب کسی چیز کو طلب اور ارادہ کے بغیر پاتے ہیں تو کہتے ہیں: التقطه التقاطا۔ لقیت فلانا التقاطا۔ راجز نے کہا:

ومَنْهَلٍ وردتُه التقاطا میں اچانک گھاٹ پر وارد ہوا۔

اسی سے لقطہ ہے۔ سورۂ یوسف میں اس کے احکام کے متعلق اتنی بحث گزر چکی ہے جو اس کے لیے کافی و شافی ہے۔

اعمش، یحییٰ، مفضل، حمزہ، کسائی اور خلف نے وحزنا حاء کے ضمہ اور زاء کے سکون کے ساتھ قراءت کی ہے۔ باقی قراء نے دونوں کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ ابو عبید نے اس کو پسند کیا ہے۔ ابو حاتم نے کہا: اس میں تفخیم کا قاعدہ جاری ہوتا ہے یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح العَدَم اور العُدْم۔ السَقَم اور السُقْم، الرَشَد اور الرُشْد۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ ہامان قبطیوں میں سے اس کا وزیر تھا وَ جُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـٕیْنَ وہ نافرمان تھے، مشرک تھے اور گناہگار تھے۔

وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَ لَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت آسیہ جو فرعون کی بیوی تھی اس نے تابوت کو پانی میں تیرتے ہوئے دیکھا اس نے حکم دیا کہ اس تابوت کو اس کی طرف لایا جائے اور اسے کھولا جائے اس نے تابوت میں ایک چھوٹا بچہ دیکھا تو اس پر اسے رحم آ گیا اور اس کے دل میں بچے کی محبت پیدا ہو گئی۔ اس نے فرعون سے کہا: یہ میرے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ قرۃ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے؛ یہ کسائی کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: اس میں

ایک بعیدی توجیہ ہے جسے ابواسحاق نے ذکر کیا ہے اس نے کہا: یہ مبتدا ہونے کے اعتبار سے مرفوع ہے اس کی خبر لا تقتلوہ ہے یہ بعید اس لیے ہے کیونکہ معنی یہ بنتا ہے یہ معروف ہے کہ یہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کا یہ معنی بھی کرنا جائز ہے جب یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے تو تم اسے قتل نہ کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام ولک پر مکمل ہو جاتی ہے۔ نحاس نے کہا: اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت ہے وقالت امراۃ فرعون لا تقتلوہ قرۃ عین لی ولک نصب بھی جائز ہے معنی ہوگا جو چیز میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو اس نے کہا: لا تقتلوہ یہ نہیں کہا: لا تقتلہ، یہ فرعون سے خطاب کر رہی ہے جس طرح جابروں سے خطاب کر رہی ہے اور جس طرح وہ اپنے بارے میں خبر دے رہے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے کہا لا تقتلوہ اسے قتل نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے کسی اور علاقہ سے لایا ہے یہ بنی اسرائیل سے نہیں ہے۔

عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ممکن ہے یہ ہمیں نفع دے اور اس سے بھلائی حاصل کریں یا ہم اسے بچہ بنا لیں۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی؛ اس نے فرعون سے وہ بچہ مانگ لیا اور فرعون نے وہ بچہ اسے دے دیا۔

فرعون نے جب خواب دیکھا اور اسے اپنے کاہنوں اور علماء پر پیش کیا جس طرح پہلے گزر چکا ہے انہوں نے اسے کہا: بنی اسرائیل کا ایک بچہ تیری بادشاہت کو برباد کر دے گا۔ اس نے بنی اسرائیل کے بچے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ اس کی رائے تھی کہ ان کی نسل ختم کر دے گا۔ وہ ایک سال تک بچے ذبح کرتا اور ایک سال تک زندہ رکھتا حضرت ہارون علیہ السلام کی ولادت اسی سال ہوئی جس سال وہ بچوں کو زندہ رکھتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اس سال ہوئی جس سال میں اس نے بچوں کو ذبح کرنے کا معمول بنایا ہوا تھا۔

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ یہ ابتدا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے کلام ہے وہ نہیں سمجھتے تھے کہ ان کی ہلاکت اس بچے کے سبب سے ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عورت کا کلام ہے یعنی بنی اسرائیل نہیں جانتے کہ ہم نے اسے پکڑ لیا ہے اور وہ نہیں جانتے مگر یہ کہ یہ ہمارا بچہ ہے۔ علماء تاویل نے اس وقت میں اختلاف کیا ہے جس وقت میں فرعون کی بیوی نے کہا تھا: **قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ** ایک جماعت کا خیال ہے یہ بات اس نے اس وقت کہی جب تابوت کو پکڑا اور اس نے فرعون کو اس کا احساس دلایا جب اس نے فرعون کو بتایا تو فرعون کے ذہن میں گیا کہ یہ بنی اسرائیل میں سے ہے اس نے یہ ارادہ اس لیے کیا تاکہ وہ ذبح سے چھٹکارا پائے۔ اس نے کہا: مجھ پر ذبح کرنے والے لاؤ۔ تو اس کی بیوی نے وہ کہا جس کا ذکر ہوا۔ فرعون نے کہا: جہاں تک میرا تعلق ہے تو یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر فرعون نعم کہہ دیتا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا اور وہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتے'' (1)۔ سدی نے کہا: بلکہ فرعون کی بیوی نے اس کو پالا یہاں تک کہ وہ چلنے پھرنے لگا فرعون نے آپ میں ذہانت دیکھی تو اسے گمان ہوا کہ یہ بنی اسرائیل میں سے ہے اسے اپنے ہاتھ میں اٹھایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور فرعون کی داڑھی کے بال نوچ لیے اس وقت فرعون نے آپ کو ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا اور اس وقت فرعون کی بیوی نے یہ بات کہی۔ اور یاقوت اور انگارہ کے ذریعے اس کا تجربہ کیا تو

1۔ تفسیر طبری، جلد 2، صفحہ 41

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان جل گئی اور لکنت پیدا ہوگئی جس طرح سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔

فراء نے کہا: میں نے محمد بن مروان سے سنا جنہیں سدی کہا جاتا وہ کلبی سے وہ ابو صالح سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت آسیہ نے کہا: قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَ لَكَ پھر کہا: تَقْتُلُوْهُ۔ فراء نے کہا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ ابن انباری نے کہا: فراء نے اس پر تقدیم و تاخیر کا قول کیا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کلام یوں ہوتی تقتلونہ یعنی فعل کے آخر میں نون ہوتا کیونکہ فعل مستقبل مرفوع ہوتا ہے یہاں تک کہ اس پر ناصب یا جازم داخل ہو۔ اس میں نون علامت رفع ہوتی ہے۔ فراء نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت اس کی تائید کرتی ہے وقالت امراة فرعون لا تقتلوة قرة عین لی ولك یعنی لا تقتلوہ مقدم ہے۔

وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْ لَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰﴾ وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ ؗ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿ۙ۱۱﴾ وَ حَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰۤى اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۴﴾

''اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہوگیا قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دے اس راز کو اگر ہم نے مضبوط نہ کر دیا ہوتا اس کے دل کو تا کہ وہ بنی رہے اللہ کے وعدہ پر یقین کرنے والی اور اس نے کہا موسیٰ کی بہن سے کہ اس کے پیچھے پیچھے ہولے پس وہ اسے دیکھتی رہی دور سے اور وہ اس (حقیقت کو) نہ سمجھتے تھے اور ہم نے حرام کر دیں اس پر ساری دودھ پلانے والیاں اس سے پہلے تو موسیٰ کی بہن نے کہا: کیا میں پتہ دوں تمہیں ایسے گھر والوں کا جو اس کی پرورش کریں تمہاری خاطر اور وہ اس بچہ کے خیر خواہ بھی ہوں تو (اس طرح) ہم نے لوٹا دیا اس کو اس کی ماں کی طرف تا کہ اسے دیکھ کر اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور (اس کے فراق میں) غمزدہ نہ ہوں اور وہ یہ بھی جان لے کہ بلا شبہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے لیکن اکثر (اس حقیقت کو) نہیں جانتے اور جب پہنچ گئے موسیٰ اپنے شباب کو اور ان کی نشو و نما مکمل ہوگئی تو ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو''۔

وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، عکرمہ، قتادہ، ضحاک، ابو عمران جونی اور ابو عبیدہ نے فٰرِغًا کا معنی یہ کیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل آپ کے ذکر کے سوا دنیا کی ہر شے کے ذکر سے خالی تھا۔ حضرت حسن بصری نے یہ بھی کہا نیز ابن اسحاق اور ابن زید نے کہا: وہ وحی سے خالی تھی کیونکہ ان کی طرف وحی کی گئی جب اسے حکم دیا گیا کہ وہ اس بچے کو پانی میں پھینک دے وہ وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے کیا وہ یہ

وعدہ تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واپس اس کی طرف لوٹائے گا اور اسے رسولوں میں سے بنائے گا۔ شیطان نے اسے کہا: اے موسیٰ کی ماں! تو نے یہ تو ناپسند کیا کہ فرعون حضرت موسیٰ کو قتل کرے مگر تو نے خود اسے غرق کر دیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو یہ خبر پہنچی کہ اس کا بیٹا فرعون کے پاس ہے تو عظیم مصیبت نے اسے وہ وعدہ بھلا دیا جو اللہ تعالیٰ نے اس سے کیا تھا۔

ابو عبیدہ نے کہا: فٰرِغًا یعنی غم اور حزن سے خالی، کیونکہ اسے علم ہو چکا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام غرق نہیں ہوئے: یہ اخفش کا قول بھی ہے۔ علاء بن زیاد نے کہا: فٰرِغًا کا معنی ہے نفرت کرنے والا۔ کسائی نے کہا: بھولنے والا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شدت غم سے متحیر؛ اسے سعید بن جبیر نے روایت کیا ہے۔ ابن قاسم نے مالک سے روایت کیا ہے: اس سے مراد عقل کا چلا جانا ہے۔ معنی ہے جب اس نے یہ سنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ہاتھ پہنچ چکے ہیں تو شدت غم کی وجہ سے اور شدت دہشت کی وجہ سے عقل اڑ گئی۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۝ (ابراہیم) یعنی خالی، ان کی کوئی عقل نہ تھی۔ جس طرح سورۂ ابراہیم میں پہلے گزر چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دل عقول کا مرکز ہوتے ہیں کیا تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں دیکھا: فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ (الحج:46) جس نے فزعا پڑھا ہے اس کی قراءت بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ نحاس نے کہا: سب سے صحیح قول پہلا ہے۔ جنہوں نے وہ قول کیا وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ جب آپ کی والدہ کا دل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے سوا ہر ذکر سے خالی تھا تو وہ وحی سے بھی فارغ تھا۔ ابو عبیدہ کا قول وہ غم سے خالی تھا، یہ بہت ہی قبیح ہے کیونکہ اس کے بعد اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْ لَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا ہے۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: قریب تھا کہ وہ کہتی وا ابناہ ہائے بیٹے۔ فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ، محمد بن سمیقع، ابو العالیہ اور ابن محیصن نے پڑھا فزعا یہ فا، اور عین کے ساتھ ہے۔ یہ فزع سے مشتق ہے۔ یہ اسے خوف تھا کہ کہیں اسے قتل ہی نہ کر دیا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھا: قرعا قاف، راء اور عین کے ساتھ۔ آخری دونوں حرف نقطہ کے بغیر ہیں۔ یہ جماعت کی قراءت کی طرف راجع ہے جو فارغا ہے۔ اسی وجہ سے وہ سر جس پر بال نہ ہوں اس کو اقرع کہتے ہیں، کیونکہ وہ بالوں سے فارغ ہوتا ہے۔ قطرب نے حکایت بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے پڑھا فرغا یعنی فاء، راء اور غین معجمہ کے ساتھ یہ الف کے بغیر ہے۔ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے هدرا و باطلا یہ جملہ بولا جاتا ہے: دماء هم بينهم فرغ یعنی ان کے باہم قصاص باطل ہو گئے۔ معنی ہے اس کا دل باطل ہو گیا اور چلا گیا اور وہ یوں ہو گئی کہ اس کا دل ہی نہیں یہ اس غم کی شدت کی وجہ سے ہوا جو اس پر وارد ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ اَصْبَحَ اس میں دو وجوہ ہیں (۱) اس نے رات کو پانی میں تابوت پھینکا تو دن کے وقت اس کا دل فارغ ہو چکا تھا (۲) اس نے دن کے وقت پھینکا تھا۔ اصبح کا معنی صار ہے۔ جس طرح شاعر نے کہا:

مضى الخلفاء بالأمر الرشيد وأصبحت المدينة للوليد

خلفاء صحیح امر کے ساتھ چلے گئے اور مدینہ ولید کے لیے رہ گیا۔

اِنْ كَادَتْ اصل میں یہ انها كادت تھا۔ جب ضمیر کو حذف کیا تو نون ساکن ہو گیا یہ ان مخففہ ہے اسی وجہ سے لَتُبْدِیْ بِهٖ پر

لام داخل ہے۔ مراد ہے اس کے امر کو ظاہر کر دے یہ بدا یبدو سے مشتق ہے جب وہ ظاہر ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ پھینکنے کے وقت چیخی۔ ہائے بیٹے! سدی نے کہا: جب وہ دودھ پلانے کے لیے اٹھاتی اور چھاتی سے لگاتی تو قریب تھا کہ وہ کہتی: یہ میرا بیٹا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے تو لوگ کہتے موسیٰ بن فرعون۔ ان کی ماں پر یہ بات شاق گزرتی اور ان کا سینہ تنگ ہوتا۔ قریب تھا کہ وہ کہہ اٹھتی: یہ میرا بیٹا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بہ میں ھاء ضمیر وحی کی طرف لوٹ رہی ہے اس کی تقدیر کلام یہ ہے ان کانت لتبدی بالوحی الذی اوحیناہ الیھا ان نردہ علیھا، قریب تھا کہ وہ اس وحی کو ظاہر کر دیتی جو ہم نے اس کی طرف وحی کی تھی کہ ہم موسیٰ کو اس پر لوٹا دیں گے۔ پہلا قول زیادہ نمایاں ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: قریب تھا کہ وہ کہتی: میں اس کی ماں ہوں۔ فراء نے کہا: قریب تھا کہ وہ حضرت موسیٰ کا نام ظاہر کر دیتی کیونکہ اس کا سینہ تنگ پڑ تا تھا۔

لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا قتادہ نے کہا: اگر ہم ایمان کے ساتھ اس کا دل مضبوط نہ کرتے۔ سدی نے کہا: اگر ہم عصمت کے ساتھ اس کا دل مضبوط نہ کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہم صبر کے ساتھ اس کا دل مضبوط نہ کرتے ربط علی القلب سے مراد صبر کا الہام ہے۔ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی تصدیق کرنے والی ہو جائے جب اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ۔

لَتُبْدِيْ بِهٖ فرمایا: لتبدیہ نہیں فرمایا کیونکہ حروف کی صفات بعض اوقات کلام میں زائد کی جاتی ہیں تو کہتا ہے: اخذت الحبل و بالحبل. یعنی کبھی واسطہ ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی واسطہ ذکر نہیں کیا جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام لتبدی القول بہ ہے۔

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے فرمایا: اس کے پیچھے جاؤ تا کہ تمہیں اس کی خبر سے آگاہی ہو۔ اس کا نام مریم بنت عمران تھا اس کا نام حضرت مریم جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تھی کے نام کے موافق تھا؛ سہیلی اور ثعلبی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے ضحاک سے ذکر کیا ہے: اس کا نام کثمہ تھا۔ سہیلی نے کہا: اس کا نام کلثوم تھا اس کا ذکر زبیر بن بکار نے کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''میں نے محسوس کیا ہے کہ جنت میں اللہ تعالیٰ نے میری شادی تیرے ساتھ ساتھ حضرت مریم بنت عمران، حضرت کلثوم جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن ہیں اور حضرت آسیہ جو فرعون کی بیوی تھی سے شادی کی'' (1)۔ حضرت خدیجہ نے عرض کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی خبر دی ہے فرمایا: ہاں۔ عرض کی یعنی حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے عرض کی: بالرفاء والبنین یہ لفظ مبارکباد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ معنی اتفاق اور بیٹوں والا ہونا ہے۔

فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ جنب کا معنی دوری ہے، یہ مجاہد کا قول ہے۔ اس سے اجنبی ہے۔ شاعر نے کہا:

فَلَا تَحْرِمَنِّي نَائِلًا عن جَنَابۃ   فِإنِّي امرؤٌ وسْطَ القِبَابِ غَرِيبُ

1۔ درمنثور، جلد 5، صفحہ 230

دوری کی وجہ سے مجھے عطیہ سے محروم نہ رکھنا بے شک میں بتوں کے درمیان اجنبی آدمی ہوں۔

اصل میں یہ مکان جنب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عن جنب سے مراد جانب ہے۔ نعمان بن سالم نے قراءت کی عن جانب معنی ہے ایک طرف سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے شوق سے۔ ابو عمرو بن علاء نے حکایت بیان کی ہے یہ بنوجزام کی لغت ہے۔ وہ کہتے ہیں: جنبت الیك میں تیرا اشتاق ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عن جنب ان کی ماں ان سے اجنبی ہے۔ کسی طریقے سے وہ نہیں پہچانتے تھے کہ یہ اس کی ماں ہے۔ قتادہ نے کہا: تو ایک طرف سے اس کو دیکھتی رہ گویا تو اس کا ارادہ نہیں رکھتی۔ وہ اس کو عن جنب جیم کے فتحہ اور نون کے سکون کے ساتھ پڑھتے۔ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ کہ یہ اس بچے کی بہن ہے کیونکہ وہ ساحل سمندر پر چلتی رہی یہاں تک کہ اس نے دیکھ لیا کہ انہوں نے اسے پکڑ لیا ہے۔

وَ حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ ہم نے اس کو اس کی ماں اور بہن کے آنے سے منع کر دیا۔ مراضع یہ مرضع کی جمع ہے۔ جس نے مراضیع پڑھا ہے تو یہ مرضاع کی جمع ہے فعال یہ جمع کثرت کے لیے وزن استعمال ہوتا ہے۔ اس وزن میں مذکر و مونث میں فرق کرنے کے لیے ہاء داخل نہیں کی جاتی کیونکہ یہ وزن فعل پر جاری نہیں ہوتا۔ جس نے مرضاعہ کہا تو وہ ھاء کے ساتھ مبالغہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے: مطرابۃ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جو دودھ پلانے والی بھی لائی جاتی حضرت موسیٰ اسے قبول نہ کرتے اس حرمت سے مراد روکنا ہے یہ حرمت شرعی نہیں۔ امرء القیس نے کہا:

جَاءَتْ لِتَصرَعَنِی فقلت لھا اقصری إنّی امرؤٌ صَرْعِی علیكِ حَرَامُ

اس نے چکر لگایا تا کہ وہ پچھاڑ دے میں نے اسے کہا: رک جا میں ایسا آدمی ہوں تجھ پر مجھ کو پچھاڑنا حرام ہے۔

حرام ممتنع کے معنی میں ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے یہ دیکھا تو اس نے کہا: هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ اس کی بات وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ سن کر انہوں نے اسے کہا: تجھے کیسے پتہ ہے؟ ممکن ہے تو اس کے گھر والوں کو پہچانتی ہو؟ اس نے کہا: نہیں مگر وہ بادشاہ کی خوشی کے حریص رہتے ہیں یا اس کی دایہ بننے میں رغبت رکھتے ہیں۔ سدی اور ابن جریج نے کہا: جب اس نے کہا وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ تو اسے کہا گیا: تو اس بچے کے اہل کو پہچانتی ہے تو ہماری اس بارے میں رہنمائی کرو۔ اس نے کہا: میں نے ارادہ کیا ہے کہ وہ بادشاہ کے مخلص ہیں تو اس نے ان کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں پر رہنمائی کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن ان کے حکم سے گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو لے آئی۔ بچہ فرعون کے ہاتھ میں تھا وہ شفقت کے انداز میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہلا رہا تھا جب کہ وہ دودھ کی طلب میں رو رہا تھا۔ فرعون نے وہ بچہ اسے دے دیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کی خوشبو پائی تو اس کے پستانوں کو قبول کر لیا۔ ابن زید نے کہا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا: وھم للملك ناصحون تو انہیں شک پڑ گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب اس نے کہا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وہ اس عورت کی تلاش میں مبالغہ سے کام لے رہے تھے جو اس کے پستان کو قبول کر لے۔ انہوں نے کہا: وہ کون ہے؟ اس نے کہا: میری ماں ہے۔ اسے کہا گیا: اس کا دودھ ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی ولادت کے وقت کا دودھ۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی ولادت ایسے سال میں ہوئی

تھی جس سال بچوں کو قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ انہوں نے کہا: تو نے سچ بولا ہے اللہ کی قسم! وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ یعنی ان میں شفقت اور اخلاص ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کا دودھ پی لیا تو اس سے کہا گیا: اس نے تیرا دودھ کیسے پی لیا ہے جب کہ اس نے کسی اور کا دودھ نہیں پیا؟ اس نے کہا: میں ایسی عورت ہوں جس کی خوشبو اچھی ہے اور دودھ بھی پاکیزہ ہے۔ میرے پاس کوئی بچہ نہیں لایا جاتا مگر وہ میرا دودھ پی لیتا ہے۔ ابو عمران جونی نے کہا: فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو ہر ایک روز ایک دینار دیا کرتا تھا۔ زمخشری نے کہا: اگر تو یہ کہے اس کے لیے کیسے حلال ہے کہ وہ اپنے بچے کو دودھ پلانے پر اجر لیتی؟ تو میں کہوں گا: وہ اس لیے دینار نہیں لیتی تھی کہ وہ اپنے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت لیتی بلکہ یہ حربی کا مال تھا وہ استباحت کے طریقہ پر مال لے لیتی تھیں۔

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کے دل کو اس پر مہربان کر دیا اور اس بارے میں ہمارا اس سے وعدہ بھی تھا۔ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا تا کہ اپنے بچہ کی وجہ سے اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو۔ وَ لَا تَحْزَنَ اور وہ اپنے بچے کے فراق سے غمگین نہ ہو۔ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ تا کہ اس کے وقوع کو جانے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کے بچے کا اس کی طرف لوٹانا عنقریب ہوگا۔ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ یعنی آل فرعون میں سے اکثر نہیں جانتے تھے یعنی وہ تقدیر اور قضاء کے راز سے غفلت میں تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جو بھی وعدہ کرے وہ حق ہے۔

وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰۤى اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا سورۃ الانعام میں اَشُدَّ کے بارے میں کلام گزر چکی ہے، ربیعہ اور مالک کا قول ہے: جو اس بارے میں قول کیا گیا ہے بلوغت اس میں اولیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (النساء: 6) یہ اشد کا آغاز ہے اور اس کی انتہائی عمر چونتیس سال ہے۔ یہ سفیان ثوری کا قول ہے۔ اسْتَوٰۤى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچے۔ حکم سے مراد نبوت سے قبل حکمت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے دین میں فقہ ہے۔ اس کی وضاحت سورۂ بقرہ وغیرہ میں گزر چکی ہے۔ سدی کے قول کے مطابق علم سے مراد فہم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد نبوت ہے۔ مجاہد نے کہا: مراد فقہ ہے۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مراد اپنے اور اپنے آبا کے دین کا علم۔ بنی اسرائیل کے نو آدمی تھے جو ان کی بات سنتے اور اقتدا کیا کرتے تھے اور ان کے پاس جمع ہوا کرتے تھے۔ یہ نبوت سے قبل ہوا۔

وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا، اپنے بچے کو سمندر میں پھینک دیا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کو سچ کر دکھایا۔ ہم نے اس کا بچہ اس کی طرف تحفوں اور شان و شوکت کے ساتھ لوٹا دیا جب کہ وہ آمنہ تھیں پھر ہم نے اسے عقل، حکمت اور نبوت عطا کی اسی طرح ہم ہر محسن کو جزا دیتے ہیں۔

وَ دَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰى حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ﳓ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَى الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَیْهِ ﱪ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ ۝

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝

"وہ شہر میں داخل ہوئے اس وقت جب بے خبر سو رہے تھے اس کے باشندے پس آپ نے پایا وہاں دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے ہوئے یہ ایک ان کی جماعت سے تھا اور دوسرا ان کے دشمنوں سے پس مدد کے لیے پکارا آپ کو اس نے جو آپ کی جماعت سے تھا اس کے مقابلہ میں جو آپ کے دشمن گروہ سے تھا تو سینہ میں گھونسا مارا موسیٰ نے اس کو اور اس کا کام تمام کر دیا۔ آپ نے فرمایا: یہ کام شیطان کی انگیخت سے ہوا ہے بے شک وہ کھلا دشمن ہے بہکا دینے والا۔ آپ نے عرض کی: اے میرے پروردگار! میں نے ظلم کیا اپنے آپ پر پس بخش دے مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اسے بے شک وہی غفور رحیم ہے۔ عرض کرنے لگے: میرے رب! مجھے ان انعامات کی قسم جو تو نے مجھ پر فرمائے! اب میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا پھر آپ نے صبح کی اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے تو اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی آج پھر انہیں مدد کے لیے پکارتا ہے۔ موسیٰ نے اسے فرمایا: بے شک تو کھلا ہوا گمراہ ہے پس جب آپ نے ارادہ کیا کہ جھپٹ پڑیں اس پر جو ان دونوں کا دشمن تھا وہ کہنے لگا: اے موسیٰ! کیا تو چاہتا ہے کہ مجھے بھی قتل کر ڈالے جیسے کل تو نے ایک شخص کو قتل کیا تھا تو نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تو ملک میں بڑا بن جائے اور تو نہیں چاہتا کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو"۔

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس حق کو پہچان لیا جو ان کے دین میں تھا تو قوم فرعون جس حالت پر تھی اس پر عیب لگایا یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عام ہو گئی انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ڈرایا حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے شہر میں چوری چھپے اور ڈرتے ہوئے داخل ہوئے تھے۔ سدی نے کہا: اس قصہ کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ تعلق تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی سواریوں پر سوار ہوتے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا بیٹا سمجھا جاتا۔ ایک روز فرعون سواری پر سوار ہوا اور مصر کے شہروں میں سے ایک شہر کی طرف چلا جسے "منف" کہا جاتا۔ مقاتل نے کہا: یہ مصر سے دو فرسخ کے مقام پر ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے سوار ہونے کا علم ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام بعد میں سوار ہوئے اور قیلولہ کے وقت اس بستی میں جا پہنچے یہ غفلت کا وقت تھا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ یہ بھی کہا: یہ عشاء اور عتمہ

(خوب تاریکی) کے درمیان کا وقت تھا۔ ابن اسحاق نے کہا: بلکہ مدینہ سے مراد مصر ہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس موقع پر فرعون کے خلاف اپنے نقطہ نظر کو بیان کیا اور بتوں اور فرعون کی عبادت پر ان پر عیب لگایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک روز شہر کے مکینوں کی غفلت کے موقع پر اس میں داخل ہوئے۔ سعید بن جبیر اور قتادہ نے کہا: دوپہر کے وقت داخل ہوئے جب کہ لوگ سوئے ہوئے تھے۔ ابن زید نے کہا: فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دشمنی کا اظہار کیا اور آپ کو شہر سے نکال دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کئی سال تک اس شہر سے غائب رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے جب کہ لوگ غفلت میں تھے کیونکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کو بھول چکے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کے ساتھ کا زمانہ طویل ہو چکا تھا۔ وہ عید کا دن تھا۔

ضحاک نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شہر میں داخل ہونے کے لیے غفلت کا وقت تلاش کیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت کا علم ہو گیا تو آپ اس میں داخل ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک ایسا آدمی مارا گیا تھا جب کہ اس کے قتل کا حکم نہیں ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے بخشش طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بخش دیا۔ گفتگو میں یہ کہا جاتا ہے: دخلت المدینة حین غفل اھلھا۔ یہ نہیں کہا جاتا: علی حین غفل اھلھا، یہاں علی حرف جار داخل ہوا ہے کیونکہ غفلت ہی مقصود تھی۔ یہ اسی طرح ہو گیا جس طرح تو کہتا ہے: جئت علی غفلة اگر تو چاہے تو تو کہہ: جئت علی حین غفلة اسی طرح آیت ہے۔ فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ٞ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ معنی ہے جب دیکھنے والوں نے دونوں کی طرف دیکھا تو کہا: یہ اس کی جماعت میں سے ہے یعنی یہ بنی اسرائیل سے ہے۔ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ اور یہ فرعون کی قوم میں سے ہے فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کو طلب کیا۔ مابعد آیت میں اسی طرح ہے۔ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ یعنی وہ ایک اور قبطی کے خلاف مدد طلب کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی مدد کی کیونکہ مظلوم کی مدد تمام ادیان میں امتوں پر فرض ہوتی ہے اور تمام شریعتوں میں فرض ہے۔

قتادہ نے کہا: قبطی نے ارادہ کیا تھا کہ اسرائیلی کو مجبور کرے کہ وہ فرعون کے مطبخ کے لیے لکڑیاں اٹھا کر لے جائے تو اسرائیلی نے لکڑیاں اٹھانے سے انکار کر دیا۔ تو اس اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی سعید بن جبیر نے کہا: وہ قبطی فرعون کا نانبائی تھا فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى قتادہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا سے اسے مارا۔ مجاہد نے کہا: اپنے ہاتھ سے اسے دھکا دیا۔ وکنہ، لکز، لھز اور لھد سب کا ایک ہی معنی ہے اس سے مراد ہتھیلی کو جمع کرتے ہوئے ضرب لگانا ہے جس طرح تہتر کا عقد ہوتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے فلکزہ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہے لکز سے مراد جبڑے پر اور وکنہ سے مراد دل پر گھونسا مارنا ہے۔ ثعلبی نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں فنکزہ ہے معنی ایک ہی ہے۔ جوہری نے ابو عبیدہ سے روایت نقل کی ہے لکز سے مراد سینہ پر گھونسا مارنا ہے۔ ابو زید نے کہا: پورے جسم میں گھونسا مارنا۔ لھز سے مراد پورے ہاتھ سے سینے میں گھونسا مارنا ہے جس طرح لکز ہوتا ہے: ابو عبیدہ سے بھی مروی ہے۔ ابو زید نے کہا جبڑے اور گردن پر گھونسا مارنا الرجل ملھز میم کے نیچے کسرہ ہے جبڑے اور گردن میں مکہ مارنے

والا۔ اصمعی نے کہا: نکزہ اسے مارا اور دھکا دیا۔ کسائی نے کہا: نہزہ یہ نکزہ اور وکزہ کی طرح ہے، یعنی اسے مارا اور دھکا دیا۔ لھدہ لھدا اس کی ذلت کی وجہ سے اسے دھکا دیا تو وہ دھکا کھانے والوں میں سے ہو گیا۔ اسی طرح لھّدہ ہے۔ طرفہ ایک آدمی کی مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے:

بطئٍ عن الداعی سریعٍ إلی الخنا ذَلُولٍ بأجماعِ الرجالِ مُلَهَّدِ

وہ داعی سے سستی کرنے والا ہے، فحش کلامی کی طرف جلدی کرنے والا ہے، تمام لوگوں کے سامنے مطیع ہے اور دھکے کھانے والا ہے۔

ملھد کا معنی ہے اسے دھکا دیا جاتا ہے، اسے مشدد کثرت کو ظاہر کرنے کے لیے پڑھا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: فلھدنی لھدۃ او جعنی یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دھکا دیا جس نے مجھے تکلیف دی؛ امام مسلم نے اسے نقل کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہی کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے قتل کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے دھکا دیا اسی میں اس کی روح تھی فَقَضٰى عَلَيْهِ کا معنی یہی ہے۔ ہر وہ شے جس پر تو متوجہ ہوا اور اس سے فارغ ہو گیا تو تو نے اس کا معاملہ تمام کر دیا۔ شاعر نے کہا:

قَدْ عَضَّهٗ فَقَضٰى عليه الأَشْجَعُ

اس نے اسے کاٹا اور اشجع نے اس کا معاملہ تمام کر دیا۔

قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ یعنی اس نے ورغلایا تو یہ کام واقع ہوا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام اس حال میں اس روز کافر کے قتل کو حلال خیال نہیں کرتے تھے، کیونکہ وہ حالت قتال سے رکنے کی حالت تھی۔ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ جملہ میں خبر کے بعد ضمیر ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس گھونسے پر شرمندہ ہوئے جس میں ایک جان چلی گئی۔ ان کی شرمندگی نے ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی اور اپنے گناہ سے بخشش طلب کرنے پر برانگیختہ کیا۔ قتادہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام پہچان گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس مصیبت سے نجات دینے والا ہے اس لیے استغفار کی۔ پھر لگاتار حضرت موسیٰ علیہ السلام اس عمل کو ذکر کرتے رہے جب کہ ان کو علم ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا ہے، یہاں تک کہ قیامت کے روز وہ کہیں گے: میں نے ایک ایسے نفس کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنے اوپر گناہ شمار کیا تھا۔ عرض کی: ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ اسی وجہ سے کسی نبی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ حکم کے بغیر قتل کرے نیز انبیاء ایسی شفقت کرتے ہیں جیسی شفقت کوئی اور نہیں کرتا۔ نقاش نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کے ارادہ سے اسے قتل نہیں کیا تھا۔ آپ نے اسے گھونسا مارا مقصود اس کو ظلم سے روکنا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ واقعہ نبوت سے پہلے ہوا۔ کعب نے کہا: یہ اس وقت واقع ہوا جب آپ کی عمر بارہ سال تھی۔ اس کے باوجود یہ قتل خطا تھا، کیونکہ گھونسا مارنے سے عموماً قتل واقع نہیں ہوتا۔

امام مسلم نے سالم بن عبداللہ سے روایت نقل کی ہے فرمایا: اے اہل عراق! تم صغیرہ کے بارے میں کتنے ہی سوال کرتے ہو اور کبیرہ پر کتنے ہی سوار ہو جاتے ہو؟ میں نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''فتنہ یہاں سے آئے گا اور اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا، جہاں سے شیطان کے دو سینگ طلوع ہوں گے تم ایک دوسرے کی گردنیں اڑاؤ گے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آل فرعون میں سے ایک فرد کو خطاً قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ قَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا (طٰہٰ: 40)

قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ جو معرفت، حکمت اور توحید کی صورت میں تو نے مجھ پر انعام کیا ہے فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ میں کافروں کا مددگار نہیں۔ قشیری نے کہا: بما انعمت علی من المغفرۃ نہیں کہا، کیونکہ یہ وحی سے قبل کا واقعہ ہے۔ اس وقت آپ یہ نہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قتل کے عمل کو معاف کر دیا ہے۔ ماوردی نے کہا: بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ اس میں دو وجوہ ہیں (۱) مغفرت، مہدوی اور ثعلبی نے اسی طرح ذکر کیا ہے مہدوی نے کہا: بما أنعمت علی من المغفرۃ تو نے مغفرت کی صورت میں جو مجھ پر انعام کیا اور مجھے کوئی سزا نہ دی (۲) ہدایت کی صورت میں جو تو نے مجھ پر انعام کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: فَغَفَرَ لَهٗ مغفرت پر دال ہے؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ زمخشری نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان: بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ کے بارے میں جائز ہے کہ یہ قسم ہو اس کا جواب محذوف ہو تقدیر کلام یہ ہو أقسم بانعامك علی بالمغفرۃ لأتوبن۔

فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفقت و مہربانی کا سوال ہے، گویا عرض کی: اے میرے رب! تو نے مجھ پر مغفرت کی صورت میں جو انعام کیا ہے اس کے وسیلہ سے مجھے محفوظ رکھ، اگر تو نے مجھے محفوظ رکھا تو میں مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔ مجرمین کی مدد سے مراد یا تو فرعون کی صحبت، اس کی جماعت میں شامل ہونا اور اس کے لشکر میں اضافہ کرنا ہے کیونکہ آپ اس کے ساتھ اسی طرح سوار ہوا کرتے تھے جس طرح بچہ والد کے ساتھ ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ابن فرعون کہا جاتا یا ایسی مدد ہے جو جرم اور گناہ کی طرف لے جائے، جس طرح اسرائیلی کی مدد جو اسے قتل کی طرف لے گئی جس کا قتل آپ کے لیے حلال نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارادہ کیا اگرچہ میں نے اس قتل میں غلطی کی ہے جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا پھر بھی میں مسلمان کی مجرم کے خلاف مدد کو ترک کرنے والا نہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسرائیلی مومن تھا اور مسلمان کی مدد تمام شریعتوں میں واجب ہے۔ بعض روایات میں ہے: وہ اسرائیلی کافر تھا اس کے بارے میں جو یہ کہا گیا ہے انہ من شیعۃ وہ اسرائیلی تھا دین میں موافقت کا ارادہ نہیں کیا اسی وجہ سے آپ کو شرمندگی ہوئی کیونکہ آپ نے کافر کے خلاف کافر کی مدد کی تھی۔ تو فرمایا: لا اکون بعدھا ظھیرا للکافرین ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خبر نہیں بلکہ دعا ہے اس کا معنی ہوگا: اے میرے رب مجھے مجرموں کا مددگار نہ بنا۔

فراء نے کہا: معنی ہے میں کبھی بھی مجرمین کا مددگار نہیں بنوں گا، یہ گمان کیا کہ اس کا یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: اس کا خبر کے معنی میں ہونا زیادہ مناسب ہے اور سیاق کلام کے زیادہ مشابہ ہے جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: لا أعصیك لأنك أنعمت علی میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا کیونکہ تو نے مجھ پر انعام کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حقیقت میں یہ قول ہے نہ کہ وہ جو فراء نے بیان کیا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہوں نے استثناء نہ کی تو دوسرے دن ہی آزمائش میں ڈال دیئے گئے استثناء دعا میں نہیں ہوتی یہ نہیں کہا جاتا: اللھم اغفرلی إن شئت اے اللہ! مجھے بخش دے اگر تو چاہے۔ سب سے تعجب والی چیز ہے کہ فراء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی پھر ان سے قول کی حکایت کی۔

میں کہتا ہوں: یہ معنی سورۂ نمل میں ملخص مبین گزر چکا ہے کہ یہ خبر ہے دعا نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے استثناء نہ کی تو انہیں ایک دفعہ پھر آزمائش میں ڈالا گیا یعنی انہوں نے یہ نہ کہا: فلن أکون إن شاء اللہ یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (1): وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا (ہود: 113)

مسئلہ نمبر 2۔ سلمہ بن نبیط نے کہا: عبدالرحمن بن مسلم نے ضحاک کی طرف اہل بخاری کے عطیات بھیجے اور کہا: انہیں عطا کر دیں۔ انہوں نے کہا: مجھے معاف رکھو، وہ لگاتار معذرت کرتے رہے یہاں تک کہ عبدالرحمن نے انہیں اس ذمہ داری سے بری کر دیا۔ ان سے کہا گیا: تم پر کیا حرج تھا کہ تم وہ عطیات انہیں دے دیتے اور ان کے حق میں کچھ کمی نہ کرتے؟ انہوں نے جواب دیا: میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ میں ظالموں کی کسی بھی چیز میں کوئی مدد کروں۔ عبداللہ بن ولید وصافی نے کہا میں نے عطاء بن ابی رباح سے کہا: میرا ایک بھائی ہے وہ اپنے قلم سے رزق کماتا ہے جو مال خزانہ میں آتا ہے اور جو نکلتا ہے اس کا حساب رکھتا ہے اس کے عیال بھی ہیں اگر وہ اس ذمہ داری کو چھوڑے تو محتاج ہو جائے اور مقروض ہو جائے۔ پوچھا: سردار کون ہے؟ میں نے جواب دیا: خالد بن عبداللہ قسری۔ فرمایا: کیا تو وہ نہیں پڑھتا جو عبد صالح کہتا ہے: بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہی تو انہیں دوبارہ امتحان میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی، تیرا بھائی ان کی مدد نہیں کرتا اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے۔

عطاء نے کہا: کسی کے لیے بھی حلال نہیں کہ وہ ظالموں کی مدد کرے اس کے لیے نہ حساب کتاب لکھے اور نہ ہی اس کی سنگت اختیار کرے اگر اس نے اس میں سے کوئی بھی عمل کیا تو وہ ظالموں کا مددگار ہو جائے گا۔ حدیث طیبہ میں ہے: ''قیامت کے روز ایک منادی کرنے والا ندا کرے گا: ظالم کہاں ہیں؟ ظالموں کی مشابہت اختیار کرنے والے کہاں ہیں؟ اور ظالموں کے مددگار کہاں ہیں؟ یہاں تک کہ جس نے ان کی دوات کی روشنائی کو درست کیا یا ان کے لیے قلم چھیلی تو انہیں لوہے کے ایک تابوت میں جمع کیا جائے گا اور جہنم میں پھینک دیا جائے گا''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''جو آدمی کسی مظلوم کے ساتھ چلا تا کہ اس کے ظلم کے خلاف اس کی مدد کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے قدم صراط پر ثبت فرما دے گا جس روز قدم پھسل جائیں گے اور جو آدمی ظالم کے ساتھ چلا تا کہ

1۔ کنز العمال، جلد 6، صفحہ 85، حدیث نمبر 14953

اس کے ظلم پر اس کی مدد کرے اللہ تعالیٰ اس کے قدموں کو پھسلا دے گا جس روز قدم پھسل جائیں گے"۔ حدیث طیبہ میں ہے: "جو ظالم کے ساتھ چلا تو اس نے جرم کیا"۔ ظالم کے ساتھ چلنا جرم نہیں مگر اس صورت میں جب وہ اس کی مدد کرے کیونکہ اس نے ایسے امر کا ارتکاب کیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ: 2)

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا سورۂ طٰہٰ اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خوف کیا کرتے تھے۔ یہ ان لوگوں کا رد ہے جو اس کے خلاف قول کرتے ہیں خوف نہ تو معرفت کے خلاف ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے توکل کے خلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نفس کے قتل کی وجہ سے خوفزدہ نہ ہوتے کہ اس پر آپ کا مواخذہ کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنی قوم سے خوف تھا کہ کہیں وہ آپ کو فرعون کے سپرد ہی نہ کردے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ سے خوف تھا۔ يَّتَرَقَّبُ سعید بن جبیر نے کہا: خوف کی وجہ سے مڑ کر پیچھے دیکھتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تلاش کا انتظار کرتے تھے اور اس امر کا انتظار کرتے تھے لوگ جو باتیں کر رہے ہیں۔ قتادہ نے کہا: وہ طلب کی انتظار کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نکلے تاکہ خبر سے آگاہی حاصل کریں۔ اسرائیلی کے علاوہ کسی کو پتہ نہ تھا کہ قبطی کو کس نے قتل کیا ہے۔ اصبح اس کے بارے میں احتمال ہے کہ وہ صار کے معنی میں ہے یعنی جب قتل کیا تو خوفزدہ ہو گئے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس صبح میں داخل ہوئے یعنی اس دن کی صبح میں جو اس دن کے پیچھے تھا۔ خَآئِفًا یہ منصوب ہے کیونکہ یہ اصبح کی خبر ہے اگر تو چاہے تو اسے حال بنالے تو پھر ظرف خبر کے محل میں ہوگی۔

فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ تو کیا دیکھتے ہیں وہی اسرائیلی جسے گزشتہ روز آپ نے نجات عطا فرمائی تھی وہ ایک قبطی سے جھگڑ رہا ہے جو آپ سے مدد طلب کرنے کا خواہش مند تھا الاستصراخ کا معنی مدد طلب کرنا ہے۔ یہ صراخ سے مشتق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مدد طلب کرنے والا مدد لینے کے لیے چیختا ہے اور آواز نکالتا ہے۔ شاعر نے کہا:

كُنَّا إذا ما أتانا صارخٌ فَزِعٌ كَانَ الصُّراخُ له قرعَ الظَّنَابِيب

جب کوئی گھبرایا ہوا مدد طلب کرنے والا ہمارے پاس آتا ہے تو اس کی چیخ معاملہ کو آسان کر دیتی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مدد طلب کرنے والا اسرائیلی وہ سامری تھا جسے فرعون کے نانبائی نے مطبخ تک لکڑیاں اٹھانے کا مطالبہ کیا تھا، قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ الَّذِي یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے۔ يَسْتَصْرِخُهٗ خبر کی جگہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ امس اس دن کو کہتے ہیں جو تیرے دن سے پہلے ہو۔ یہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے مبنی بر کسرہ ہے۔ جب اس پر الف لام داخل ہو یا یہ مضاف ہو تو معرب ہو جاتا ہے تو اس کو رفع اور فتحہ کے ساتھ اعراب دیا جاتا ہے؛ یہ اکثر نحویوں کا نقطہ نظر ہے۔ اس میں سے کچھ وہ ہیں جو اس کو مبنی قرار دیتے ہیں جب کہ اس میں الف لام ہو۔ سیبویہ اور دوسرے علماء نے کہا کہ عربوں میں سے کچھ وہ ہیں کہ وہ اس کو رفع کے محل میں خصوصاً غیر منصرف قرار دیتے ہیں بعض اوقات شاعر مجبور ہوتا ہے تو وہ محل جر اور محل نصب میں بھی غیر منصرف قرار دیتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

لقد رأيتُ عجبًا مذ أمس

یہاں اس کو منذ کی وجہ سے جر دی ہے جب کہ عمدہ لغت رفع ہے لغت ثانیہ کی بنا پر اس کو محل جر میں رفع کی جگہ رکھا۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ، غوی کا معنی نقصان اٹھانے والا ہے کیونکہ تو اس کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے جس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تو گمراہ ہے جس کی گمراہی واضح ہے میں نے کل تیری وجہ سے ایک آدمی کو قتل کر دیا اور آج تو مجھے ایک اور کے لیے بلاتا ہے۔ غوی یہ أغوى يُغوى سے فعیل کا وزن ہے۔ یہ مغوے معنی میں ہے یہ وجیع اور الیم کی طرح ہے۔ جو موجع اور مولم کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غوی یہ غاوی کے معنی میں ہے تو ایسے آدمی کے ساتھ جنگ کرنے میں گمراہ ہے جس کی شر کو دور کرنے کی تو طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: آپ نے قبطی سے فرمایا **اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ** یعنی اس اسرائیلی سے خدمت لینے میں تو گمراہ ہے۔ آپ نے ارادہ کیا کہ اسے پکڑ لیں۔ یوں باب ذکر کیا جاتا ہے بَطَشَ يَبْطِشُ، ضمہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ ایسا فعل ہے جو متعدی نہیں ہوتا۔

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ ابن جبیر نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ وہ قبطی کو پکڑیں تو اسرائیلی نے گمان کیا کہ آپ اسے پکڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں کیونکہ آپ نے اس سے سخت کلامی کی تھی۔ اس اسرائیلی نے کہا: **اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ** قبطی نے یہ گفتگو سن لی اور راز کو افشا کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسرائیلی نے قبطی کو پکڑنے کا ارادہ کر لیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے منع کیا تو اسرائیلی کو خوف لاحق ہوا تو کہا: **اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ**

اِنْ تُرِيْدُ، ان ما نافیہ کے معنی میں ہے۔ **اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ**، جبار کا معنی قتال ہے۔ عکرمہ اور شعبی نے کہا: ایک آدمی اس وقت تک جبار نہیں ہو سکتا جب تک وہ دو آدمیوں کو ناحق قتل نہ کرے۔ **وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ** یعنی ان لوگوں میں سے جو لوگوں کے درمیان اصلاح احوال کی کوشش کرتے ہیں۔

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝٢٠ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآىِٕفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝٢١ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝٢٢

"اور آیا ایک آدمی شہر کے آخر گوشہ سے دوڑتا ہوا اس نے (آکر) بتایا: اے موسیٰ! سردار لوگ سازش کر رہے ہیں آپ کے بارے میں کہ آپ کو قتل کر ڈالیں اس لیے نکل جائیے (یہاں سے) بے شک میں آپ کا خیر خواہ ہوں پس آپ نکلے وہاں سے ڈرتے ہوئے (اپنی گرفتاری کا) انتظار کرتے ہوئے عرض کی: میرے رب! بچا لے مجھے ظلم و ستم کرنے والوں سے اور جب آپ روانہ ہوئے مدین کی جانب (تو دل میں) کہنے لگے: امید ہے میرا رب میری رہنمائی فرمائے گا سیدھے راستہ کی طرف"۔

وَجَآءَ رَجُلٌ اکثر مفسرین کی رائے ہے اس آدمی سے مراد حزقیل بن صبورا ہے جو آل فرعون کا مومن تھا۔ وہ فرعون کا چچا

زاد تھا، ثعلبی نے یہ ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ طالوت تھا؛ یہ سہیلی نے ذکر کیا ہے۔ مہدوی نے قتادہ سے یہ قول نقل کیا ہے: وہ شمعون تھا جو آل فرعون کا مومن تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ شمعان تھا۔ دار قطنی نے کہا: شین کے ساتھ شمعان معروف نہیں مگر وہ آل فرعون کا مومن تھا۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا اس آدمی کو خبر پہنچی تو اس نے کہا: یٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں اس قبطی کے بدلے میں جس کو تو نے گزشتہ کل قتل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ایک دوسرے کو حکم دے رہے تھے۔ ازہری نے کہا: ائتمر القوم و تآمروا ان میں سے بعض نے بعض کو حکم دیا۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ اْتَمِرُوْا بَیْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ (الطلاق: 6)

نمبر بن تولب نے کہا:

أرى النّاس قد أحدثوا شِيمةً وفي كل حادثةٍ يُؤتَمَرْ

میں لوگوں کو دیکھتا ہوں انہوں نے خصلت بنالی ہے ہر حادثہ میں مشورہ کیا جاتا ہے۔

فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ۞ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ وہ تلاش کا انتظار کر رہے تھے۔

قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جبار اسے کہتے ہیں جس کا وہ ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے جیسے مارنا اور ظلم سے قتل کرنا وہ انجام میں کوئی غور نہیں کرتا اور احسن طریقہ سے دفاع نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد متعظم ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے تواضع نہیں کرتا۔

وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْیَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّیْۤ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے، خوفزدہ ہو کر بھاگتے ہوئے مدین کی طرف نکلے ان کے ساتھ نہ کوئی زاد راہ تھا، نہ سواری تھی اور نہ ہی جوتے تھے، اس نسب کی وجہ سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے درمیان تھا، کیونکہ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کی اولاد میں سے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی حالت، راستہ سے ناواقفیت اور زادراہ وغیرہ سے خالی ہونے کو دیکھا تو اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا۔ عَسٰى رَبِّیْۤ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ یہ اضطرار کی حالت ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام درخت کے پتوں سے قوت حاصل کرتے آپ یہاں نہ پہنچے یہاں تک کہ آپ کے قدموں کا موزہ بھی گر گیا۔ ابو مالک نے کہا: فرعون نے آپ کی تلاش میں آدمی بھیجے اور انہیں کہا: ان جگہوں سے اسے تلاش کرو جہاں سے پہاڑی راستے الگ ہوتے ہیں، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام راستے سے واقف نہیں۔ ایک فرشتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا جو گھوڑے پر سوار تھا اس کے پاس نیزہ تھا، اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: میرے پیچھے چلو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی پیروی کی تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو راستہ دکھا دیا۔ یہ کہا جاتا ہے: اس نے آپ کو نیزہ دیا یہی آپ کا عصا تھا۔ ایک روایت یہ کی جاتی ہے: آپ کا عصا وہ تھا جو آپ نے مدین سے بھیڑ بکریاں چرانے کے لیے حاصل کیا تھا؛ یہ قول اکثر علماء سے مروی ہے اور زیادہ صحیح ہے۔ مقاتل اور سدی نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل امین کو آپ کی طرف بھیجا؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے مدین اور مصر کے درمیان آٹھ ایام کا فاصلہ تھا؛
یہ ابن جبیر اور دوسرے لوگوں کا قول ہے۔ مدین کا ملک فرعون کی حکومت میں شامل نہیں تھا۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۬ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ
امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوْنَا
شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ
خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ٞ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ
لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٚ
نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ٞ اِنَّ خَيْرَ مَنِ
اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ
عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ
اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ
اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾

''اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر لوگوں کا ایک انبوہ ہے جو (اپنے مویشوں کو) پانی پلا رہے ہیں اور دیکھیں اس انبوہ سے الگ تھلگ دو عورتیں کہ اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے ہیں آپ نے پوچھا کہ تم کیوں اس حال میں کھڑی ہو؟ ان دونوں نے کہا: ہم نہیں پلا سکتیں جب تک چرواہے اپنے مویشوں کو لے کر واپس نہ چلے جائیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں تو آپ نے پانی پلا دیا ان (کے ریوڑ) کو پھر لوٹ کر سایہ کی طرف آگئے اور عرض کرنے لگے: میرے مالک! واقعی میں اس خیر و برکت کا جو تو نے میری طرف اتاری ہے محتاج ہوں کچھ دیر بعد آئی آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک خاتون شرم و حیاء سے چلتی ہوئی (اور آکر) کہا: میرے والد تمہیں بلاتے ہیں تاکہ تم نے ہماری بکریوں کو جو پانی پلایا ہے اس کا تمہیں معاوضہ دیں پس جب آپ ان کے پاس آئے اور اپنا واقعہ ان کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے (تسلی دیتے ہوئے) کہا: ڈرو نہیں تم بچ کر نکل آئے ظالموں (کے پنجہ) سے ان دو میں سے ایک خاتون نے کہا: میرے (محترم) باپ اسے نوکر رکھ لیجئے بے شک بہتر آدمی جس کو آپ نوکر رکھیں وہ ہے جو طاقتور بھی ہو اور دیانت دار بھی ہو۔ آپ نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں بیاہ دوں تمہیں ایک اپنی دو بچیوں سے بشرطیکہ تو میری خدمت کرے آٹھ سال تک پھر اگر پورے کرو دس سال تو یہ تمہاری اپنی مرضی اور میں نہیں چاہتا کہ تم پر سختی کروں تو پائے گا مجھے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا نیک لوگوں سے (جو وعدہ ایفاء کرتے ہیں) موسیٰ نے کہا: یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے پا گئی

ان دو میعادوں سے جو میعاد میں گزار دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ جو قول و قرار ہم نے کیا ہے
اس پر نگہبان ہے''۔
اس میں تیئیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ حضرت موسیٰ علیہ السلام چلتے رہے یہاں تک کہ مدین کے چشمہ پر پہنچے۔ وَرَدَ مَآءَ سے مراد ہے اس تک پہنچ گئے اس کا یہ مطلب نہیں اس میں داخل ہو گئے ورود کا لفظ بعض اوقات مورد میں داخل ہونے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، بعض اوقات اطلاع پانے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی پہنچنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اگرچہ اس میں داخل نہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چشمہ پر وارد ہونے سے مراد اس تک پہنچنا ہے۔ اس معنی میں زہیر کا قول ہے:

فَلَمَّا وَرَدْنَ الماءَ زُرْقًا جِمَامُهُ وَضَعْنَ عِصِيَّ الحاضِرِ المُتَخَيِّمِ

جب وہ اس چشمہ پر وارد ہوئیں جس کا لبالب پانی آسمان کے رنگ جیسا نظر آ رہا تھا۔

یہ معانی اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا (مریم: 71) میں گزر چکے ہیں۔ مدین غیر منصرف ہے کیونکہ یہ معروف شہر ہے۔

شاعر نے کہا:

رُهبانُ مدينَ لو راوْكَ تنزَّلوا

مدین کے راہب اگر تجھے دیکھ لیتے تو اپنی عبادت گاہوں سے نیچے اتر آتے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایسا قبیلہ ہے جو حضرت مدین بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔ امة سے مراد جمع کثیر ہے۔ يَسْقُوْنَ کا معنی ہے وہ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ مِنْ دُوْنِهِمُ معنی ہے اس جانب سے جس جہت سے آپ آئے تو آپ ان عورتوں تک جا پہنچے قبل اس کے کہ اس جماعت تک پہنچتے۔ آپ نے ان دونوں کو پایا کہ وہ اپنے ریوڑ کو روک رہی ہے۔ اس معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فَلَيُذَادَنَّ رجالٌ عن حوضي میرے حوض سے لوگوں کو روکا جا رہا ہوگا۔ بعض مصاحف میں ہے: امراتين حابستين تذودان یہ جملہ بولا جاتا ہے: ذاد یذود جب وہ رد کرے ذدت الشیء میں نے شے کو روکا؛ شاعر نے کہا:

أَبِيتُ على باب القَوَافِي كأنَّمَا أَذُودُ بها سِرْبًا من الوحشِ نُزَّعَا

میں قافیوں (شکاری کا گڑھا) کے دروازے پر رات گزارتا ہوں گویا میں وہاں سے وحشی جانوروں کی جماعت کو روکتا ہوں۔ اذود کا معنی ہے میں روکتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تذودان کا معنی ہے وہ دھتکار رہی تھیں؛ شاعر نے کہا:

لقد سَلَبتْ عصاكَ بنو تميم فما تَدْرِي بأيِّ عصًا تَذُودُ

بنو تمیم نے تیرے عصا کو سلب کر لیا ہے تو نہیں جانتا تو کس عصا کے ساتھ دھتکارے گا۔

تذود کا معنی تو دھتکارے گا، تو رد کرے گا۔ ابن سلام نے کہا: وہ اپنے ریوڑ کو روک رہی تھیں تا کہ لوگوں کے ریوڑ کے ساتھ

حل نہ جائیں۔ مفعول کو حذف کر دیا گیا یا تو مقصد مخاطب کو وہم دلانا ہے یا اس کے علم کی وجہ سے ذکر کی کوئی ضرورت نہ تھی۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ قوی پانی پلانے والوں کے ڈر سے اپنے ریوڑ کو پانی سے روک رہی تھیں۔ قتادہ نے کہا: وہ لوگوں کو اپنے ریوڑ سے روکے ہوئے تھیں۔ نحاس نے کہا: پہلا معنی زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کے بعد ہے قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ اگر وہ لوگوں کو اپنے ریوڑ سے روک رہی ہوتیں تو وہ یہ خبر نہ دیتیں کہ وہ اپنے ریوڑ کو اس وقت پلاتی ہیں جب چرواہے چلے جائیں گے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے اس انداز کو دیکھا تو کہا: مَا خَطْبُكُمَا یعنی تمہارا کیا معاملہ ہے؟ رؤبہ نے کہا:

یا عَجَبًا ما خَطْبُه و خَطْبِی

تعجب ہے اس کے اور میرے کام پر۔
ابن عطیہ نے کہا: مصیبت زدہ، مظلوم، جس پر شفقت مقصود ہو یا جو عجیب وغریب کام کرے اس سے سوال کرنے کے لیے لفظ خطب استعمال ہوتا ہے، گویا یہ لفظ شر کے بارے میں سوال کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ دونوں نے اپنے بارے میں بتایا اور یہ بتایا کہ ان کے باپ انتہائی بوڑھے شخص ہیں معنی ہے وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے ریوڑ کے معاملات نہیں سنبھال سکتے اور وہ دونوں بہنیں اپنے ضعف اور طاقت کی کمی کی وجہ سے قوی لوگوں کے ساتھ مزاحمت کی طاقت نہیں رکھتیں۔ ان دونوں کی عادت یہ ہے کہ وہ آہستگی اپناتی ہیں یہاں تک کہ لوگ پانی سے چلے جاتے ہیں اور چشمہ خالی ہو جاتا ہے۔ وہ اس وقت وارد ہوتی ہیں۔ ابن عامر اور ابو عمرو نے پڑھا يَصْدِرُ یہ صَدَرَ سے مشتق ہے یہ ورد کی ضد ہے، یعنی جب چرواہے واپس چلے جاتے ہیں۔ باقی يُصْدِرُ پڑھتے ہیں یہ أَصْدَرَ سے مشتق ہے، یہاں تک کہ ان کے چوپائے پانی سے واپس چلے جاتے ہیں۔ رعاء یہ راعی کی جمع ہے۔ جس طرح تاجر کی جمع تجار، صاحب کی جمع صحاب آتی ہے۔ ایک فرقہ کہتا ہے: کنویں اوپر سے کھلے ہوئے تھے۔ لوگوں کا ازدحام ان دونوں کو روکتا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ ان کے ریوڑ کو پانی پلائیں تو آپ نے لوگوں سے مزاحمت کی اور پانی پلانے میں ان پر غلبہ پایا یہاں تک کہ آپ نے پانی پلایا۔ اس غلبہ کی وجہ سے ان دونوں میں سے ایک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت سے وصف بیان کیا۔ ایک جماعت نے کہا: وہ دونوں میں ان کے بچے ہوئے پانی پر آتیں اگر دونوں حوض میں باقی ماندہ پانی پاتیں تو یہی ان کے جانوروں کی سیرابی کا باعث ہوتا اگر اس میں کوئی پانی نہ ہوتا تو ان کا ریوڑ پیاسا رہ جاتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان پر ترس آ گیا آپ نے ایک کنویں کا قصد کیا جو اوپر سے ڈھانپا گیا تھا لوگ دوسرے کنویں سے پانی پلا رہے تھے۔ اس کنویں کے پتھر کو سات آدمی ہی اٹھا سکتے تھے۔ یہ ابن زید کا قول ہے۔ ابن جریج نے کہا: دس آدمی اٹھا سکتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تیس آدمی اٹھا سکتے تھے۔ زجاج نے کہا: چالیس آدمی اٹھا سکتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اکیلے اسے اٹھایا اور دونوں عورتوں کے ریوڑ کو پانی پلا دیا۔ اس پتھر کے اٹھانے کی وجہ سے ان میں سے ایک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت کے ساتھ صفت لگائی ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا کنواں ایک تھا۔ آپ نے وہ پتھر چرواہوں کے چلے جانے کے بعد اٹھایا تھا۔ جب کہ دونوں عورتوں کی عادت یہ تھی کہ وہ بچے ہوئے پانی کو پلایا کرتی

تھیں۔عمرو بن میمون نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، انہوں نے کہا: جب چرواہوں نے پانی پلالیا تو انہوں نے کنویں پر ایک پتھر رکھ دیا جسے دس آدمی ہی اٹھا سکتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے آپ نے وہ پتھر ہٹایا اور پانی کا ایک ہی ڈول نکالا کسی اور ڈول کی ضرورت نہ رہی تو آپ نے ان کے ریوڑ کو سیراب کر دیا۔

مسئلہ نمبر 2۔اگر یہ سوال کیا جائے: اللہ کے نبی جو حضرت شعیب علیہ السلام ہیں کے لیے کیسے جائز تھا کہ وہ اس بات پر راضی تھے کہ ان کے جانوروں کو پانی کے لیے ان کی بیٹیاں کام کریں؟ اس کو جواب دیا جائے گا: یہ کوئی ممنوع نہیں۔ دین اس کا انکار نہیں کرتا۔ جہاں تک مروت کا تعلق ہے تو لوگوں کی آراء مختلف ہیں۔ لوگوں کی عادت جدا جدا ہے۔ عربوں کے احوال عجمیوں کے احوال سے مختلف ہیں۔ دیہاتی لوگوں کا رویہ شہریوں سے مختلف ہے، خصوصاً جب مجبوری ہو۔

مسئلہ نمبر 3۔ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ آپ سمرہ (ببول) درخت کے سایہ کی طرف گئے، یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور اس سوال کی طرف متوجہ ہوئے جو آپ کو کھانا کھلائے اس کا ذکر اس قول میں ہے: اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ آپ نے سات دن سے کوئی کھانا نہیں کھایا تھا، آپ کا پیٹ پشت سے لگ چکا تھا۔ دعا کی اور سوال کی وضاحت نہ کی۔ تمام مفسرین نے اس طرح روایت کیا ہے کہ آپ نے اس کلام میں کھانے کو طلب کیا۔ خیر یہاں کھانے کے معنی میں ہے جس طرح اس آیت میں ہے اور مال کے معنی میں ہے جس طرح فرمایا: اِنْ تَرَكَ خَیْرَا ۚۖ (البقرہ: 180) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ ۝ (العادیات) یہ لفظ قوت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جس طرح فرمایا: اَهُمْ خَیْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ (الدخان: 37) یہ عبادت کے معنی میں ہے جس طرح فرمایا: وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ (الانبیاء: 73) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بھوک انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور پیٹ میں سبزیاں کھانے سے رنگ زرد پڑ چکا تھا جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے معزز تھے۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ مدین تک نہیں پہنچے تھے یہاں تک کہ پاؤں کے نیچے والے حصے گر چکے تھے۔ اس میں یہ شعور دلایا گیا ہے کہ دنیا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حقیر ہے ابوبکر بن طاہر نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ کے بارے میں کہا: میں محتاج ہوں اس چیز کا جو تو نے فضل اور غنا نازل فرمائی کہ تو مجھے اپنے غیر سے غنی کر دے۔

میں کہتا ہوں: اہل تفسیر نے جو کہا وہ اولیٰ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کے واسطہ سے آپ کو غنی کر دیا۔

مسئلہ نمبر 4۔ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ اس کلام میں اختصار ہے جس پر یہ کلام ظاہر دلالت کرتا ہے۔ ابن اسحاق یا ابو اسحاق نے یہ کہا ہے: وہ دونوں تیزی سے اپنے باپ کی طرف گئیں ان کا معمول یہ تھا کہ وہ پانی پلانے میں دیری کیا کرتی تھیں۔ دونوں نے اس مرد کے بارے میں بتایا جس نے ان کے ریوڑ کو پانی پلایا تھا۔ آپ نے اپنی بڑی بیٹی کو حکم دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اپنی چھوٹی بیٹی کو حکم دیا کہ وہ اس مرد کو بلا لائے۔ تو وہ بچی آئی جس طرح اس آیت میں ذکر ہے۔ عمر بن میمون نے کہا: وہ ایسی عورتوں میں سے نہ تھی جو مردوں پر جری ہوتی ہیں اور حیلہ گر ہوتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا

ہے: وہ اپنی قمیص کے پلو سے اپنے چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھی۔ یہ حضرت عمر بن خطاب نے قول کیا ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے ان دونوں میں سے ایک کا نام لیا اور دوسری کا نام صفوریا تھا یہ دونوں شیرون کی بیٹیاں تھیں اور شیرون ہی حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی پوتیاں تھیں اور حضرت شعیب علیہ السلام کا وصال ہو چکا تھا۔ اکثر علماء کی رائے ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں۔ قرآن کا ظاہر یہی بتاتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا (اعراف: 85) میں اسی طرح ہے۔ سورۂ شعراء میں ہے كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ (شعراء) قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اصحاب ایکہ اور اصحاب مدین کی طرف بھیجا۔ سورۂ اعراف میں ان کے باپ کے نام کے بارے میں اختلاف گزر چکا ہے۔ روایت کی گئی ہے کہ جب وہ لڑکی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پیغام لائی تو آپ اس کے پیچھے ہو لیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے درمیان تین میل کا فاصلہ تھا۔ ہوا چلی تو قمیص جسم کے ساتھ چپک گئی اور اس کی سرین کی کیفیت کو بیان کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے دیکھنے میں گناہ محسوس کیا فرمایا: میرے پیچھے ہو لے اور اپنی آواز کے ساتھ مجھے راستہ کے بارے میں آگاہ کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ابتداءً کہا: میرے پیچھے ہو لے میں عبرانی آدمی ہوں میں عورتوں کی پشت کو نہیں دیکھتا مجھے دائیں بائیں بتا کر راستہ پر میری راہنمائی کرو۔ اس بچی نے آپ کی امانت کے ساتھ جو وصف بیان کیا تھا اس کا سبب یہی تھا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بلانے والے تک پہنچ گئے اور اپنی تمام سرگزشت سنائی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے اس قول کے ساتھ آپ سے انس کا اظہار کیا: لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ مدین کا علاقہ فرعون کی مملکت سے باہر تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کھانا پیش کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں نہیں کھاؤں گا۔ ہم اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ہم اپنا دین زمین بھر سونے کے بدلے میں بھی نہیں بیچتے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا: یہ پانی پلانے کا عوض نہیں بلکہ یہ میرے اور میرے آباء کا معمول ہے کہ ہم مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، کھانا کھلاتے ہیں اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھانا کھایا۔

مسئلہ نمبر 5۔ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ یہ اس امر پر دلیل ہے کہ ان کے نزدیک اجارہ مشروع تھا اور معلوم و معروف بھی تھا۔ ہر ملت میں یہ اسی طرح ہے۔ یہ انسان کی ضرورت ہے اور لوگوں کے درمیان میل جول کی مصلحت میں سے ہے۔ اصم نے اس میں اختلاف کیا ہے کیونکہ وہ سننے سے بہرہ تھا۔

مسئلہ نمبر 6۔ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اس میں یہ معنی ہے کہ ولی اپنی بیٹی کسی آدمی پر پیش کرتا ہے یہ مروج سنت ہے۔ مدین کے صالح نے اپنی بیٹی بنی اسرائیل کے صالح کو پیش کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عثمان غنی پر پیش کی۔ ایک عورت نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا۔ یہ اچھی بات ہے کہ مرد اپنی رشتہ دار عورت کسی پر پیش کرے اور ایک عورت اپنے آپ کو صالح مرد پر پیش کرے اس میں سلف صالحین کی اقتدا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جب حضرت حفصہ بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان سے کہا: اگر تو چاہے تو میں تیرا

نکاح حفصہ بنت عمر سے کردوں۔ امام بخاری نے تنہا اس روایت کو نقل کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ نکاح کا اختیار ولی کو ہے عورت کا اس میں کوئی حصہ نہیں کیونکہ مدین کے صالح نے اس کی ذمہ داری کو قبول کیا۔ شہروں کے فقہاء نے یہی قول کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ یہ بحث گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ باپ کو حق حاصل ہے کہ وہ مشورہ کے بغیر اپنی باکرہ بالغہ کی شادی کردے، امام مالک کا یہی قول ہے آپ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ یہ اس باب میں قوی اور ظاہر ہے آپ کا اس سے استدلال کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے وہ اسرائیلیات پر اعتماد کرتے تھے۔ جس طرح پہلے گزرا ہے۔ اس مسئلہ میں امام مالک کے قول کی وجہ سے امام شافعی اور دوسرے کثیر علماء نے بھی یہی قول کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: جب بچی بالغ ہو جائے تو کوئی آدمی بھی اس کی مرضی کے بغیر شادی نہ کرے کیونکہ وہ مکلف بننے کی حد تک پہنچ چکی ہے۔ جب وہ چھوٹی ہو تو اس کی مرضی کے بغیر بھی شادی کرسکتا ہے کیونکہ چھوٹی عمر میں نہ اس کا اذن ہے اور نہ اس کی رضا کی کوئی اہمیت ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

مسئلہ نمبر 9۔ اصحاب الشافعی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ سے یہ استدلال کیا ہے کہ نکاح، لفظ تزویج اور لفظ نکاح پر موقوف ہے۔ یہی قول ربیعہ، ابوثور، ابوعبید، داؤد، امام مالک نے کیا ہے آپ سے یہ قول اختلاف سے مروی ہے ہمارے علماء کا مشہور قول یہ ہے: نکاح ہر لفظ سے منعقد ہو جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: نکاح ہر ایسے لفظ سے منعقد ہو جاتا ہے جو دائمی ملکیت کا تقاضا کرتا ہے۔ جہاں تک شافعیہ کا تعلق ہے ان کے لیے اس آیت میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ یہ ہم سے پہلی امتوں کا حکم ہے اور پہلی شریعتوں کے حکم کو مشہور مذہب کے مطابق وہ حجت تسلیم نہیں کرتے، جہاں تک امام ابوحنیفہ، آپ کے اصحاب، ثوری، حسن بن حی کا تعلق ہے انہوں نے کہا: ہبہ وغیرہ کے الفاظ کے ساتھ بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے جب اس پر گواہ قائم کر دیئے جائیں کیونکہ طلاق لفظ صریح اور لفظ کنایہ سے واقع ہو جاتی ہے۔ انہوں نے کہا: اس طرح نکاح بھی واقع ہو جاتا ہے۔ انہوں نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خصوصی حکم دیا وہ یہ ہے کہ عوض کے بغیر بضع کی ملکیت حاصل نہ کی جائے۔ لفظ ہبہ سے نکاح منع نہیں کیا، ابن قاسم نے ان کی موافقت کی ہے۔ کہا: اگر اس نے اپنی بیٹی ہبہ کی جب کہ وہ اس کے نکاح کا ارادہ کرتا ہو تو پس امام مالک سے اس بارے میں کوئی چیز یاد نہیں رکھتا۔ میرے نزدیک یہ چیز اسی طرح ہے جس طرح بیع کا لفظ استعمال کرنا۔ ابوعمر نے کہا: صحیح یہ ہے کہ ہبہ کے لفظ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، جس طرح نکاح کے الفاظ سے اموال میں سے کسی چیز کا ہبہ نہیں ہوتا نیز نکاح میں وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس پر شہادت دی جاسکے۔ یہ طلاق کی ضد ہے تو اس پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے؟ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نکاح أبحت لك اور أحللك لك کے الفاظ سے منعقد نہیں ہوتا اسی طرح ہبہ کے الفاظ سے عقد نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **استحللتم فروجهن بكلمة الله**(1) تم ان کی شرمگاہوں کو اللہ کے حکم سے حلال کرو۔ کلمۃ اللہ سے مراد قرآن ہے قرآن حکیم میں لفظ ہبہ سے عقد نکاح کا ذکر

1۔ ابن ماجہ، باب حج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 397

نہیں۔ اس میں تزویج اور نکاح کا ذکر ہے۔ لفظ ہبہ کے ساتھ نکاح کے جواز کا قول کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے بعض کا ابطال لازم آتا ہے۔

مسئلہ نمبر 10 ۔ اِحۡدَى ابۡنَتَىَّ هٰتَيۡنِ اس میں یہ دلالت ہے کہ یہاں ایک کو پیش کیا جا رہا ہے عقد نہیں کیا جا رہا ہے، کیونکہ اگر یہ عقد نکاح ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے معقود علیہ کو معین کر دیا جاتا، کیونکہ علماء اگرچہ اس صورت میں بیع کے جواز میں اختلاف کرتے ہیں جب کوئی کہے: بعتك أحد عبدى هذين بثمن كذا میں نے ان دو غلاموں میں سے ایک کو اس قیمت پر تیرے ہاتھ بیچا۔ انہوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ نکاح کے اندر یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں اختیار ہے اور اختیار میں سے کسی چیز کا نکاح سے کوئی تعلق نہیں۔

مسئلہ نمبر 11 ۔ مکی نے کہا: اس آیت میں نکاح کے خصوصی احکام ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بیوی کو معین نہیں کیا اور عرصہ کے آغاز کو معین نہیں کیا اور اجارہ کو مہر بنایا ہے اور نقد کوئی شے نہیں دی۔

میں کہتا ہوں: یہ وہ چار مسائل ہیں جنہیں گیارہ نمبر مسئلہ اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔

(ا) چار مسائل میں سے ایک تعیین ہے۔ ہمارے علماء نے کہا: جہاں تک تعیین کا تعلق ہے تو یہ اس کے مشابہ ہے کہ یہ متوجہ کرنے کے مرحلہ میں ہو پہلے معاملہ کو مجمل انداز میں پیش کیا اور بعد میں اس کی تعیین کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کی شادی صفوریا سے کر دی۔ یہی حضرت شعیب کی چھوٹی بیٹی تھی۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر تجھ سے سوال کیا جائے: دونوں مدتوں میں سے کون سی مدت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوری کی تو کہنا ان دونوں میں سے بہتر اور کامل مدت پوری کی۔ اگر تجھ سے سوال کیا جائے: کس عورت سے شادی کی؟ تو کہنا: چھوٹی سے۔ یہی وہ تھی جو اس کے پیچھے آئی اور اس نے کہا: يٰۤاَبَتِ اسۡتَاۡجِرۡهُ ۫ اِنَّ خَيۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِىُّ الۡاَمِيۡنُ'' (1)۔

لیکن قول یہ کیا گیا ہے: بڑی سے پہلے چھوٹی سے شادی کرنے میں حکمت یہ تھی اگرچہ بڑی کو مردوں کی زیادہ ضرورت تھی کیونکہ حضرت شعیب کو توقع تھی کہ وہ اس کی طرف مائل ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیغام لاتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور جب حضرت موسیٰ اس کے باپ کی طرف آ رہے تھے اس وقت اس کے ساتھ چلے تھے اگر حضرت شعیب علیہ السلام اس پر بڑی کو پیش کرتے ممکن تھا کہ وہ اس کے لیے پسندیدگی کو ظاہر کر دیتے جب کہ دل میں کسی غیر کو پوشیدہ رکھے ہوتے۔ اس کے علاوہ بھی قول کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ بعض روایات میں ہے: آپ نے بڑی سے شادی کی تھی: قشیری نے اسے بیان کیا ہے۔

(ب) مدت کے آغاز کا جو ذکر کیا گیا ہے آیت میں ایسی کوئی دلالت نہیں جو اس کے اسقاط کا تقاضا کرے بلکہ اسکے بیان سے یہ خاموش ہے۔ ممکن ہے دونوں نے اسے لکھ لیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے جب عقد ہو گا اس وقت سے اس مدت کا آغاز ہو گا۔

1۔ کنز العمال، جلد 2، صفحہ 33، حدیث نمبر 3021

(ج) اجارہ کے بدلے نکاح یہ تو آیت میں ظاہر ہے۔ یہ ایسا امر ہے جس کو ہماری شرع نے بیان کیا ہے اور اس حدیث میں اس کا ذکر ہے جس کے پاس قرآن کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی۔ اسے ائمہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی ایک سند میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قرآن حکیم میں سے جسے تو یاد رکھتا ہے'' (1)۔ اس نے عرض کی: سورۂ بقرہ اور اس کے بعد والی سورت فرمایا: ''اسے بیس آیات کی تعلیم دے دے یہ تیری بیوی ہے''۔ علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے اس بارے میں ان کے تین اقوال ہیں (1) امام مالک نے اسے مکروہ قرار دیا ہے، ابن قاسم نے اس سے منع کیا ہے، ابن حبیب نے اسے جائز قرار دیا ہے؛ یہ امام شافعی اور آپ کے اصحاب کا قول ہے۔ انہوں نے کہا: یہ جائز ہے کہ حر (آزاد) کی منفعت مہر ہو جس طرح کپڑے سینا، تعمیر کرنا اور قرآن کی تعلیم دینا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: یہ صحیح نہیں اور اس امر کو جائز قرار دیا ہے کہ وہ اس عورت سے شادی کرے اور شرط یہ لگائے کہ اس کا غلام ایک سال تک اس کی خدمت کرے گا یا اسے اپنے گھر میں ایک سال تک رکھے کیونکہ غلام اور گھر مال ہے۔ اپنی بیوی کا خود خدمت کرنا مال نہیں۔

ابوالحسن کرخی نے کہا: اجارہ کے لفظ کے ساتھ عقد نکاح جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ** (النساء: 24) ابوبکر رازی نے کہا: یہ صحیح نہیں کیونکہ اجارہ ایسا عقد ہے جس میں وقت کی تعیین ہوتی ہے اور عقد نکاح دائمی ہوتا ہے۔ یہ آپس میں منافی ہیں۔ ابن قاسم نے کہا: حقوق زوجیت ادا کرنے سے قبل یہ ختم ہو سکتا ہے اور اس کے بعد ثابت ہو جاتا ہے۔ اصبغ نے کہا: اگر اس نے ساتھ ہی کوئی چیز نقد بھی دی تو اس میں اختلاف ہے اگر ساتھ نقد کوئی چیز نہ دی تو یہ اس سے بھی زیادہ شدید ہے۔ اگر اس کو ترک کیا تو یہ ہر حال میں نافذ ہوگا دلیل حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ ہے؛ یہ امام مالک، ابن معاذ اور اشہب کا قول ہے۔ اس مسئلہ میں متاخرین اور متقدمین کی ایک جماعت نے اس آیت پر اعتماد کیا ہے۔ ابن خویز منداد نے کہا ہے: یہ آیت اجارہ کی صورت میں نکاح کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے عقد صحیح ہے۔ یہ مکروہ ہے کہ اجارہ کو مہر بنایا جائے مناسب یہ ہے کہ مہر مال ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ** (النساء: 24) یہ ہمارے تمام علماء کا قول ہے۔

(د) جہاں تک یہ قول ہے: ودخل ولم ینقد علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ جب عقد کیا اس وقت حقوق زوجیت ادا کیے یا جب ساتھ سفر کیا۔ اگر یہ اس وقت ہوا جب عقد کیا تو کیا کوئی نقد پیش کیا؟ ہمارے علماء نے دخول (حقوق زوجیت ادا کرنا) سے منع کیا یہاں تک کہ وہ کوئی چیز نقد پیش کرے اگرچہ وہ ایک چوتھائی دینار ہو؛ یہ ابن قاسم کا قول ہے۔ اگر نقد دینے سے پہلے دخول کیا تو یہ نافذ ہو جائے گا، کیونکہ ہمارے علماء میں سے متاخرین نے کہا: تمام مہر پہلے دینا یا اس میں سے کچھ پہلے دینا یہ مستحب ہے۔ اگر مہر ریوڑ کو چرانا ہو تو خدمت میں شروع ہونے سے ہی نقد ادائیگی ہو گی۔ اگر دخول اس وقت کیا جب ساتھ سفر کیا تو نکاح میں طویل انتظار جائز ہے، اگرچہ عرصہ کی طوالت شرط کے بغیر ہو۔ اگر شرط کی صورت میں ہو تو یہ جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ غرض صحیح ہو جس طرح حرم میں داخل کرنے کی تیاری کرنا یا بیوی کا حقوق زوجیت کے اہل ہونے کا

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی تزویج علی العمل من یعمل، جلد 1، صفحہ 287

انتظار کرنا اگر وہ بالغ نہ ہو اس پر ہمارے علماء نے تصریح کی ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ اس آیت میں اجارہ اور نکاح کا اجتماع ہے ہمارے علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے اس بارے میں تین اقوال ہیں (۱) ثمانیہ ابی زید میں کہا: ابتداء مکروہ ہے اگر ایسا ہو گیا تو نافذ ہو جائے گا (۲) امام مالک اور ابن قاسم کا مشہور قول ہے: جائز نہیں، دخول سے قبل اور اس کے بعد فسخ ہو جاتا ہے کیونکہ دونوں کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں جس طرح باقی ماندہ مختلف عقود ہوتے ہیں (۳) اشہب اور اصبغ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہی صحیح ہے۔ آیت اسی پر دلالت کرتی ہے۔ امام مالک نے کہا: نکاح بیع کے زیادہ مشابہ ہے تو پھر اجارہ اور بیع میں کیا فرق ہے؟ اور بیع اور نکاح میں کیا فرق ہے؟

مسئلہ: اگر اس نے یہ مہر مقرر کیا کہ وہ اپنی بیوی کو مباح شعر کی تعلیم دے تو یہ صحیح ہے؛ یہ مزنی نے کہا ہے۔ وہ شاعر کے قول کی طرح ہے:

يقول العبد فائدتي ومالي　　وتقوى الله أفضل ما استفادا

بندہ کہتا ہے: ہائے میرا فائدہ اور میرا مال! اللہ کا تقویٰ زیادہ افضل ہے جتنا وہ فائدہ اٹھائے۔

اگر اس نے یہ مہر مقرر کیا کہ وہ ایسے اشعار کی تعلیم دے گا جس میں ہجو اور فحش کلامی ہو تو یہ اسی طرح ہے جس طرح اس نے شراب یا خنزیر کو مہر کے طور پر مقرر کیا۔

مسئلہ نمبر 13۔ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ خدمت کا ذکر مطلق جاری ہوا ہے۔ امام مالک نے فرمایا: یہ جائز ہے اسے آپ عرف پر محمول کرتے ہیں خدمت کا ذکر کرنا کوئی ضروری نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا ظاہر یہی ہے، کیونکہ یہ اجارہ مطلقہ کا ذکر ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے کہا: یہ جائز نہیں یہاں تک کہ وہ نام لے کیونکہ یہ مجہول ہے۔ امام بخاری نے باب باندھا ہے: باب من استاجر اجرا فبين له الاجل ولم يبين له العمل۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ مہلب نے کہا: بات اس طرح نہیں جس طرح آپ نے باب باندھا ہے، کیونکہ عمل ان کے نزدیک معلوم تھا کہ پانی پلانا ہے، ہل چلانا ہے اور ریوڑ چرانا ہے اور اس کی مثل جو دیہاتی علاقوں کے کام ہوتے ہیں۔ یہ عمل متعارف تھا۔ اگرچہ معین عمل اور معین مقدار کا ذکر نہ کیا جائے، جس طرح وہ اسے کہتے: انك تحرث كذا من السنة و ترعى كذا من السنة تو اتنے سال ہل چلائے گا اور اتنے سال جانور چرائے گا۔ یہ دیہاتی زندگی کا عام معمول ہے۔ جو چیز تمام علماء کے نزدیک جائز نہیں وہ یہ ہے کہ مدت مجہول ہو اور عمل غیر معروف ہو یہ عقد جائز نہ ہو گا یہاں تک کہ یہ معلوم ہو جائے۔ ابن عربی نے کہا: اہل تفسیر نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ریوڑ چرانے کے عمل کو معین کیا یہ صحیح سند سے مروی نہیں لیکن انہوں نے کہا: مدین کے صالح کا ریوڑ چرانے کے سوا کوئی عمل نہ تھا، تو ان کا جو مال معلوم تھا وہ خدمت کی تعیین کے قائم مقام ہو جائے گا۔

مسئلہ نمبر 14۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ جائز ہے کہ کوئی آدمی چرواہے کو چند معین مہینوں کے لیے اجرت پر

رکھے، اجرت معلوم ہو اس میں معین بھیڑ بکریوں کی بھی رعایت کی جائے اگر معین بکریاں ہوں تو اس میں ہمارے علماء کی تفصیل ہے۔ ابن قاسم نے کہا: یہ جائز نہیں یہاں تک کہ ان بکریوں کے نائب کی شرط لگائی جائے اگر وہ بکریاں مرجائیں۔ یہ بہت ہی کمزور روایت ہے۔ مدین کے صالح نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجرت پر رکھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دیکھا اور آپ نے نائب کی شرط نہیں لگائی۔ اگر وہ مطلق ہوں نہ ان کا نام لیا گیا ہو اور نہ ہی وہ معین ہوں تو ہمارے علماء کے نزدیک یہ جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے کہا: ان کی جہالت کی وجہ سے جائز نہیں۔ ہمارے علماء نے عرف پر اعتماد کیا ہے جس طرح ہم نے ابھی اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کو اتنی مزدوری دی جائے گی جس قدر وہ طاقت رکھتا ہوگا۔ ہمارے بعض علماء نے یہ زائد کہا ہے کہ یہ جائز نہیں یہاں تک کہ مزدور رکھنے والا اس کی قوت کا اندازہ جانتا ہو؛ یہ قول صحیح ہے کیونکہ مدین کے صالح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت کی مقدار کو جانتے تھے کیونکہ آپ نے پتھر اٹھایا تھا۔

مسئلہ نمبر 15۔ امام مالک نے کہا: چرواہے پر کوئی ضمانت نہیں جو جانور ہلاک ہو یا جس کو چوری کیا گیا ہو اس کے بارے میں چرواہے کی بات کو تسلیم کیا جائے گا، کیونکہ وہ وکیل کی طرح امین ہے۔ امام بخاری نے یہ عنوان باندھا ہے۔ باب إذا أبصر الراعی أو الوکیل شاۃ تموت أو شیئا یفسد فأصلح، یخاف الفساد اور کعب بن مالک کی حدیث کو ذکر کیا جو انہوں نے اپنے باپ سے نقل کی۔ ان کی بکریاں تھیں جو سلع پہاڑ پر چرائی جاتی تھیں ہماری ایک لونڈی نے ہمارے ریوڑ میں سے ایک بکری دیکھی جو مر رہی تھی اس نے ایک پتھر توڑا اور اس پتھر کے ساتھ اسے ذبح کر دیا۔ اس نے انہیں کہا: نہ کھاؤ یہاں تک کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کروں یا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کوئی آدمی بھیجوں جو آپ سے سوال کرے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا یا آپ نے آدمی بھیجا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے کھانے کا حکم دیا۔ حضرت عبداللہ نے کہا: مجھے اس امر نے متعجب کیا کہ وہ لونڈی ہے اور اس نے جانور ذبح کیا ہے۔ مہلب نے کہا: اس میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ چرواہے اور وکیل کی ان امور میں تصدیق کی جائے گی جس پر ہم نے اسے امین بنایا ہے یہاں تک کہ ان دونوں پر خیانت اور جھوٹ کی دلیل ظاہر ہو؛ یہ امام مالک اور جماعت کا قول ہے۔ ابن قاسم نے کہا: جب اسے بکری کے مر جانے کا خوف ہو تو اس نے اس بکری کو ذبح کر دیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا اور جب وہ ذبح شدہ لائے گا تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ دوسرے علماء نے کہا: وہ ضامن ہوگا یہاں تک کہ اس نے جو کچھ کہا وہ واضح ہو جائے۔

مسئلہ نمبر 16۔ ابن قاسم اور اشہب نے اختلاف کیا ہے جب چرواہے نے جانوروں کی ماداؤں پر مالکوں کی اجازت کے بغیر نر چھوڑے تو وہ مادائیں ہلاک ہو گئیں تو ابن قاسم نے کہا: چرواہے پر کوئی ضمانت نہیں کیونکہ نر چھوڑنا مال کی اصلاح اور اس کو بڑھانے میں سے ہے۔ اشہب نے کہا: اس پر ضمانت ہوگی۔ ابن قاسم کا قول حضرت کعب کی حدیث کے زیادہ مشابہ ہے: اس کے اجتہاد سے جو چیز تلف ہو گئی اس میں اس پر کوئی ضمانت نہیں اگر وہ اہل اصلاح میں سے تھا اور اس کے بارے میں یہ معلوم تھا کہ وہ مال پر شفقت کرتا ہے اگر وہ فاسق و فسادی ہو اور صاحب مال نے ارادہ کیا کہ وہ اس سے ضمانت لے تو وہ ضمانت لے سکتا ہے کیونکہ جب اس کا فسق معروف ہو تو اس کی اس بات میں تصدیق نہیں کی جائے گی کہ اس

نے بکری میں موت کے آثار دیکھے تھے۔

مسئلہ نمبر 17۔ یہ منقول نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کیا اجرت تھی؟ لیکن یحییٰ بن سلام نے روایت کی ہے کہ مدین کے صالح نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ اجرت معین کی تھی کہ ہر وہ بچہ جو اپنی ماں کے رنگ کے خلاف پیدا ہوگا وہ ان کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ تو ان کے درمیان اپنا عصا پھینک وہ سب اپنی ماؤں کے رنگ کے خلاف پیدا ہوں گے۔ یحییٰ کے علاوہ دوسرے علماء نے کہا: ہر وہ بچہ جو سیاہ وسفید رنگ والا پیدا ہوگا وہ اس کا ہوگا۔ تو سب نے ایسے ہی بچے جنے۔ قشیری نے ذکر کیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجرت پر رکھا تو انہیں کہا: فلاں کمرے میں داخل ہو جاؤ اور اس میں پڑے ہوئے عصاؤں میں سے عصا لو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا نکالا یہ وہی عصا تھا جو حضرت آدم علیہ السلام نے جنت سے نکالا تھا۔ انبیاء اس کے وارث چلے آرہے تھے یہاں تک کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام تک پہنچا تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: وہ یہ عصا کمرے میں رکھ دے اور دوسرا عصا لے لے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کمرے میں داخل ہوئے اور وہی عصا نکالا۔ یہ سلسلہ سات دفعہ ہوا ہر دفعہ آپ کے ہاتھ میں یہی عصا آتا۔ حضرت شعیب علیہ السلام جان گئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصی شان ہے جب صبح ہوئی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں کہا: اپنے ریوڑ کو دور لے جانا جہاں سے کئی راستے نکلتے ہیں اور دائیں راستے کو لینا وہاں زیادہ جھاڑیاں نہیں بائیاں راستہ نہ اپنانا کیونکہ وہاں بہت زیادہ جھاڑیاں ہیں اور بڑا سانپ ہے جو جانوروں کو برداشت نہیں کرتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں تک ریوڑ کو لے آئے جہاں سے راستے جدا ہوتے ریوڑ نے بائیں جانب والا راستہ لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں نہ روک سکے۔ حضرت موسیٰ علی السلام سو گئے اژدھا نکلا عصا کھڑا ہو گیا اس کی دونوں شاخیں لوہے کی بن گئیں اس نے اژدھا سے مقابلہ کیا یہاں تک کہ اس کو مار ڈالا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ آیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو عصا کو خون سے آلودہ پایا اور سانپ کو مرا ہوا دیکھا عشاء کے وقت حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف لوٹ آئے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نابینا تھے تو آپ نے بکریوں پر ہاتھ پھیرا تو سبزے کا اثر ان پر نمایاں تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس واقعہ کا سوال کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سب کچھ بتا دیا حضرت شعیب علیہ السلام خوش ہو گئے اور کہا: ان جانوروں میں سے جو بھی اس سال کئی رنگوں والا بچے جنے گا تو وہ تیرا ہوگا۔ اس سال تمام بچے مختلف رنگوں والے پیدا ہوئے حضرت شعیب علیہ السلام کو علم ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام و مرتبہ ہے۔

عیینہ بن حصن نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اجرت پیٹ بھر کر کھانا اور اپنی شرمگاہ کی عفت رکھی تھی'' (1)۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں یہ فرمایا تھا: تیرے لیے ان میں سے یعنی ریوڑ کے بچوں میں سے وہ ہوگا جو مختلف رنگوں والا ہو جس میں عزوز، فشوش، کموش، ضبوب اور ثعول نہ ہو۔ ہروی نے کہا: عزوز سے مراد کم دودھ والی، یہ عزاز سے ماخوذ ہے اس سے مراد سخت زمین ہے قد تعززت الشاۃ بکری کم دودھ والی

1۔ درمنثور، جلد 5، صفحہ 239

ہے۔ فشوش جس کا دودھ دوہنے کے بغیر ہی نکلتا رہے، یہ تھن کے سوراخ کے بڑا ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسی کی مثل فتوح اور ثرور ہے۔ عربوں کی امثال میں سے ہے: لَأَفُشَّنَّكَ فَشَّ الْوَطْبِ میں تیرا غصہ اور کبر تیرے سر سے نکال دوں گا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: فَشَّ السقاء، جب اس سے ہوا کو نکال دیا۔ اس معنی میں حدیث ہے: إن الشيطان يَفُشُّ بين أَلْيَتَي أحدكم يُخَيَّلُ إليه أن أحدث شیطان تمہاری دوسرینوں کے درمیان ہلکی سی پھونک مارتا ہے یہاں تک کہ اس آدمی کو خیال ہوتا ہے کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے۔ کموش سے مراد چھوٹی کھیری والی، اس کو کمیشہ بھی کہتے ہیں۔ اسے یہ نام اس لیے دیا جاتا ہے کیونکہ اس کی کھیری سکڑی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے: رجل کمیش الإزار ایسا آدمی جس کا تہبند چھوٹا ہو۔ کشود یہ کموش کی طرح ہے۔ ضبوب اسے کہتے ہیں جس کے تھن کا سوراخ تنگ ہو۔ ضب سے مراد جس کا دودھ دوہنے کے لیے سختی سے نچوڑنا پڑے۔ ثعول سے مراد ایسی بکری ہے جس کا حلمہ زیادہ ہوں حلمہ سے مراد ثعل ہے اور ثعل سے مراد جس کے دانت زیادہ ہوں۔ اسی زیادتی کو رواول کہتے ہیں: رجل اثعل ثعل سے مراد دودھ کے نکلنے کی جگہ کا تنگ ہونا۔ ہروی نے کہا: حدیث میں قالب لون سے مراد ہے کہ وہ بچہ جو ماں کے رنگ سے مختلف ہو۔

مسئلہ نمبر 18۔ مجہول عوض کے ساتھ اجارہ جائز نہیں ہوتا کیونکہ بھیڑ بکری کا بچہ دینا معلوم نہیں۔ بعض سرسبز و شاداب علاقوں میں بھیڑ بکریوں کا بچہ جننا، اس کی تعداد اور ان کے بچوں کا سلامت رہنا یہ قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے جس طرح مصر وغیرہ کے علاقے۔ مگر یہ ہماری شریعت میں جائز نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غرر سے منع کیا اور مضامین وملاقیح سے بھی منع کیا ہے۔ مضامین سے مراد جو مونث کے بطن میں ہوتے ہیں اور ملاقیح سے مراد جو نروں کی پشت میں ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس شاعر نے کہا:

مَلْقُوحَةً فِي بطنِ نابٍ حامِلِ یہاں ملقوحہ کی نسبت مونث سے کی گئی ہے۔

سورۂ حجر میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ تاہم راشد بن معمر نے ایک تہائی اور ایک چوتھائی پر ریوڑ کو چرانے میں اجارہ کو جائز قرار دیا ہے۔ ابن سیرین اور عطا نے کہا: کپڑے کے ایک حصہ کے بدلے میں کپڑے کو بنا جاتا ہے؛ امام احمد نے یہی کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ نکاح میں کفو کا اعتبار ہے۔ علماء نے اختلاف کیا ہے کہا: دین، مال اور حسب سب میں ان میں سے بعض کا اعتبار ہوگا۔ صحیح یہ ہے کہ موالی کا نکاح عربی عورت اور قریشی عورت سے جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات: 13) حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف آئے اجنبی مسافر تھے، علاقہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے، خوفزدہ تھے، تنہا تھے، بھوکے تھے، وافر لباس بھی نہ تھا، حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بچی کا نکاح ان سے کر دیا جب آپ کی امانت ان پر ثابت ہوگئی اور آپ نے ان کا حال دیکھ لیا، باقی چیزوں سے اعراض کیا۔ یہ مسئلہ گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ بعض علماء نے کہا: حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف سے جو کچھ ہوا یہ عورت کے مہر کا ذکر نہیں تھا۔ یہ تو اپنے لیے ایک شرط تھی جس طرح بدو لوگ کرتے ہیں وہ اپنی بچیوں کے لیے مہر کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں: میرے لیے

فلاں چیز خاص ہے اور مہر کو ترک کر دیتے ہیں اور بغیر مہر کے عقد نکاح کر دیتے ہیں بغیر مہر کے نکاح یہ جائز ہے۔ ابن عربی نے کہا: بدو لوگ جو کچھ کرتے ہیں یہ حلوان اور مہر پر زیادتی ہے۔ یہ حرام ہے اور انبیاء کے مناسب نہیں مگر جب ولی اپنے لیے کوئی شرط ذکر کرے علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے جسے خاوند اپنے آپ سے نکالتا ہے اور عورت کے قبضہ میں نہیں دیتا۔ اس کے بارے میں دو قول ہیں (۱) یہ جائز ہے (۲) یہ جائز نہیں۔ میرے نزدیک تقسیم صحیح ہے کیونکہ عورت اس سے خالی نہ ہوگی وہ باکرہ ہوگی یا ثیبہ ہوگی۔ اگر ثیبہ ہو تو یہ جائز ہے کیونکہ نکاح اس کے اپنے قبضہ میں ہے ولی کا کام صرف ایجاب وقبول کی ذمہ داری ادا کرنا ہے جس طرح وکیل بیع کی صورت میں عوض لیتا ہے اسی طرح ولی بھی عوض لے سکتا ہے۔ اگر وہ باکرہ ہو تو عقد ولی کے اختیار میں ہے گویا اس نے نکاح میں بیوی کے علاوہ کسی اور کے لیے عوض مقرر کیا یہ باطل ہے۔ اگر ایسا ہوا تو حق زوجیت سے پہلے یہ ختم ہو جائے گا اور حقوق زوجیت کے بعد ثابت رہے گا یہ مشہور روایت ہے۔ الحمدللہ

مسئلہ نمبر 21۔ جب شرط ذکر کی اور اس کے بعد حسن معاشرت کے طور پر کوئی اضافی چیز ذکر کی تو ہر ایک اپنے اپنے حکم پر جاری ہوگی۔ دوسری پہلے کے ساتھ لاحق نہ ہوگی اور فرض ونفل کا کوئی اشتراک نہیں ہوگا، اسی وجہ سے عقود میں متفقہ شروط لکھی جاتی ہیں پھر کہا جاتا ہے: تطوع بکذا شرط اپنی جگہ جاری ہوگی اور نفل اپنے حکم پر جاری ہوگا۔ واجب، نفل سے الگ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت شعیب علیہ السلام کے الفاظ میں حسن ہے جو انہوں نے عقد کے نکاح کے حوالے سے کہا: انکحہ ایاہ یہ اس سے اولیٰ ہے: انکحھا ایاہ اس کی وضاحت سورۂ احزاب میں آئے گی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے آٹھ سال بطور شرط ذکر کیے اور دس سال بطور حرمت ذکر کیے۔

مسئلہ نمبر 22۔ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ جب حضرت شعیب علیہ السلام کی گفتگو ختم ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی توثیق کی اور اسے پختہ کرنے کے انداز میں اس کے معنی کو مکرر کیا کہ شرط آٹھ سالوں میں ہوگی۔ اَيَّمَا یہ کلمہ استفہام ہے، قَضَيْتُ کی وجہ سے منصوب ہے۔ الْاَجَلَيْنِ یہ اس لیے مجرور ہے کیونکہ ای کا کلمہ اس کی طرف مضاف ہے۔ ما زائدہ ہے تاکید کے لیے ہے، اس میں شرط کا معنی موجود ہے اس کا جواب فَلَا عُدْوَانَ میں ہے۔ عُدْوَانَ کا لفظ لا کی وجہ سے منصوب ہے۔ ابن کیسان نے کہا: ما محل جر میں ہے ای اس کی طرف مضاف ہے۔ یہ نکرہ ہے اور الْاَجَلَيْنِ اس سے بدل ہے، اسی طرح فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران: 159) میں ہے یعنی رحمۃ یہ ما سے بدل ہے۔ کلبی نے کہا: وہ کوشش کرتے کہ قرآن میں کسی چیز کو زائد نہ بنائیں اور اس کی کوئی ایسی توجیہ کریں جو اس کو زیادتی سے خارج کر دے۔ حضرت حسن بصری نے ایما یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ جمہور علماء کی قراءت ہے: عدوان میں عین مضموم ہے۔ ابوحیوۃ نے اسے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی ہے مجھ پر کوئی گرفت نہ ہوگی اور مجھ سے زیادہ عمل کا مطالبہ نہیں ہوگا۔ عدوان سے مراد غیر واجب امر میں تجاوز کرنا۔ ضحیح سے مراد سال ہیں؛ شاعر نے کہا:

لمن الديار بِقُنة الحجر أقوين من حِجج ومن دهر

پہاڑ کی چوٹی پر کس کے گھر ہیں جو سالوں اور زمانہ سے قوی ہیں۔

حجج کا واحد حجہ ہے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول میں سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عورت کے والد کے قول میں سے ہے۔ دونوں صالح ہستیوں نے اللہ تعالیٰ کو گواہ بنانے پر اکتفا کیا مخلوقات میں سے کسی کو گواہ نہیں بنایا۔ علماء نے نکاح میں گواہ بنانے کو واجب قرار دیا ہے۔ یہ تیئیسواں مسئلہ ہے۔

مسئلہ نمبر 23۔ اس کے بارے میں دو قول ہیں (1) نکاح دو گواہوں سے ہی منعقد ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہی قول ہے۔ امام مالک نے کہا: نکاح گواہوں کے بغیر بھی منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ یہ عقد معاوضہ ہے اس میں گواہ بنانا شرط نہیں ہے اس میں اعلان اور تصریح شرط ہے آپ نے نکاح اور بدکاری میں فرق دف بجانے کے ساتھ کیا ہے۔ یہ مسئلہ سورۂ بقرہ میں تفصیلی گزر چکا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے ایک اسرائیلی سے سوال کیا کہ وہ اسے ایک ہزار دینار ادھار دے تو دوسرے نے کہا: گواہ لے آؤ جن کو میں گواہ بناؤں۔ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے۔ دوسرے نے کہا: کوئی ضامن لے آؤ تو پہلے نے کہا: اللہ تعالیٰ ضامن کافی ہے۔ دوسرے نے کہا: تو نے سچ بولا ہے اور وہ دینار قرض کے طور پر دے دے (1)۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝

"پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے مقررہ مدت پوری کر دی اور (وہاں سے) چلے اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر تو آپ نے دیکھی طور کی ایک طرف آگ، آپ نے اپنے اہل خانہ سے کہا: تم ذرا ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں لے آؤں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا آگ کی کوئی چنگاری تاکہ تم اسے تاپ سکو"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ سعید بن جبیر نے کہا: نصرانیوں میں سے ایک آدمی نے مجھ سے پوچھا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی؟ میں نے کہا: میں نہیں جانتا یہاں تک کہ میں حبر العرب (عربوں کے عالم) یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آؤں اور ان سے سوال کروں، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے سوال کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں مدتوں میں اکمل مدت کو پورا کیا۔ تو میں نے اس نصرانی کو بتا دیا۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! اس نے سچ بولا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں جبرئیل امین سے پوچھا تو جبریل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال پورے کیے۔ طبری نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال پورے کیے اور اس کے بعد دس سال پورے کیے: اسے حکم بن ابان نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ ضعیف ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الکفالۃ، جلد 1، صفحہ 306

مسئلہ نمبر 2۔ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں دلیل ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو جہاں چاہے لے جا سکتا ہے کیونکہ مرد کو عورت پر قوامیت کی فضیلت اور درجہ کی زیادتی حاصل ہے، مگر اس صورت میں کہ خاوند عورت سے یہ اپنے اوپر کوئی چیز لازم کرے مومن کی پہچان شرطوں کو پورا کرنے سے ہوتی ہے جن شرطوں کو پورا کیا جاتا ہے ان میں سے سب سے پختہ شرط وہ ہے جس کے ذریعے تم شرمگاہوں کو اپنے اوپر حلال کرتے ہو۔

مسئلہ نمبر 3۔ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا اس بارے میں گفتگو سورۂ طٰہٰ میں گزر چکی ہے۔ جذوۃ میں عام قراءت جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ حمزہ اور یحییٰ نے اسے ضمہ دیا ہے۔ عاصم، سلمی اور زر بن حبیش نے اسے فتحہ دیا ہے۔ جوہری نے کہا: جِذوۃ، جُذوۃ اور جَذوۃ سب کا معنی ایسا انگارہ ہے جو بھڑک رہا ہو۔ اس کی جمع جِذاً، جُذاً اور جَذاً ہے۔ مجاہد نے اللہ تعالیٰ کے فرمان جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ کی تفسیر میں کہا: انگارے کا ٹکڑا۔ یہ تمام عربوں کی لغت میں ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: جذوۃ یہ جذمۃ کی طرح ہے، اس سے مراد لکڑی کا بڑا ٹکڑا ہے۔ اس کی ایک جانب آگ ہو یا نہ ہو۔ ابن مقبل نے کہا:

بَاتَتْ حَوَاطِبُ لَيْلَى يَلْتَمِسْنَ لَهَا جَزْلَ الْجِذَا غَيْرَ خَوَّارٍ وَلَا دَعِرٍ

لیلیٰ کی لکڑہاریوں نے رات گزاری اس کے لیے بڑی بڑی لکڑیوں کو تلاش کرتے ہوئے جو چیری گئی تھیں اور ان کو جلانے کی صورت میں ان سے دھواں وغیرہ بھی نہ نکلتا تھا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

وَاَلْقَى عَلَى قَيْسٍ مِنَ النَّارِ جِذْوَةً شَدِيْدًا عَلَيْهَا حَمْيُهَا وَلَهِيْبُهَا

اس نے قیس پہ آگ کا ایسا ٹکڑا پھینکا جس کی تپش اور اس کا شعلہ شدید تھا۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ

"پس جب آپ وہاں گئے تو ندا دی وادی کے دائیں کنارہ سے اس بابرکت مقام میں ایک درخت سے کہ اے موسیٰ! بلاشبہ میں ہی ہوں اللہ جو رب العالمین ہے"۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا، ھا ضمیر سے مراد درخت ہے ضمیر کو اسم سے مقدم کیا۔ نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ پہلا اور دوسرا من ابتداء غایت کے لیے ہے آپ کو ندا وادی کی جانب سے درخت کی جانب سے آئی۔ مِنَ الشَّجَرَةِ یہ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ سے بدل اشتمال ہے، کیونکہ درخت وادی کے کنارے پر اگا ہوا تھا۔ شاطی الوادی اور شط الوادی دونوں کا معنی اس کی جانب ہے۔ جمع شطان اور شواطی آتی ہے؛ قشیری نے اسے ذکر کیا ہے۔ جوہری نے کہا: شاطی الاودیۃ کہا جاتا ہے اس کی جمع نہیں بنائی جاتی۔ شاطأت الرجل جب تو ایک کنارے پر چلے اور وہ دوسرے کنارے پر چلے۔ الْاَيْمَنِ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہاڑ کی دائیں جانب سے۔ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ اشہب عقیلی نے پڑھا فی البقعۃ ان کا قول بقاع یہ بقعۃ پر دلالت کرتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے: جفنۃ جفان جس نے بقعۃ کہا اس نے جمع بقع ذکر کی جس طرح

غرفۃ کی جمع غرف آتی ہے۔

مِنَ الشَّجَرَةِ درخت کی جانب سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ درخت علیق کا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ببول کا درخت تھا۔ اور ایک قول یہ کیا گیا: وہ عوسج کا درخت تھا۔ اسی درخت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا تھا؛ زمخشری نے یہ ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ عناب کا درخت تھا۔ عوسج کا درخت جب بڑا ہو جائے تو اس کو غرقد کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے: یہ یہودیوں کا درخت ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور ان یہودیوں کو قتل کر دیں گے جو دجال کے ساتھ ہوں گے تو یہودیوں میں سے کوئی آدمی درخت کے پیچھے نہیں چھپے گا مگر وہ درخت بول پڑے گا۔ وہ درخت کہے گا: اے مسلمان! یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے اور اس کو قتل کرو مگر غرقد کا درخت نہیں بولے گا کیونکہ یہ یہودیوں کا درخت ہے (1)؛ امام مسلم نے اسے نقل کیا ہے۔ مہدوی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرش کے اوپر سے کلام کی اور جس طرح چاہا درخت سے اپنا کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سنایا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے انتقال اور زوال کی صفت ذکر کی جاسکتی اس کی مثل مخلوق کی صفات ہیں۔

ابو المعالی نے کہا: اہل معانی اور اہل حق کہتے ہیں اللہ تعالیٰ جس سے کلام فرمائے اور اسے رتبہ عالی اور غایت قصوی کے ساتھ خاص کرے تو وہ انسان اس کے کلام قدیم کا ادراک کر لیتا ہے جو کلام حروف، اصوات، عبارات، نغمات اور لغات کی اقسام سے پاک ہوتا ہے، جس طرح کہ جس شخص کو کرامات کی منازل کے لیے طے کیا، اس پر اپنی نعمتیں مکمل کیں اور اپنے دیدار سے نوازا اس نے اپنے رب کا دیدار، اجسام کی مماثلث اور حوادث کے احکام سے منزہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کوئی اس کا مثل نہیں۔ امت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرشتوں میں سے دوسرے منتخب افراد کو اپنی کلام کے ساتھ خاص کیا۔ الاستاذ ابو اسحاق نے کہا: اہل حق نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام میں ایسی صلاحیت پیدا فرما دی جس کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام کا ادراک کر لیا۔ کلام کے سماع میں یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت تھی اللہ تعالیٰ تمام مخلوق میں ایسی صلاحیت پیدا کرنے پر قادر ہے علماء نے اس بات میں اختلاف کیا ہے۔ کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ المعراج کو اللہ تعالیٰ کا کلام سنا؟ کیا جبریل امین نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں: دونوں میں سے ایک کا طریقہ، قطعی روایت کا ہونا ہے اور یہ تو مفقود ہے۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مخلوق کا اسے سننا قرآن کی قراءت کے وقت اس معنی میں ہے کہ انہوں نے ایسی عبارت سنی جس کے ساتھ وہ اس کے معنی کو پہچان گئے بعینہ اس کے کلام کو نہیں سنا۔ عبداللہ بن سعد بن کلاب نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا قدیمی کلام سنا جو پیدا کی گئی آوازوں میں تھا اللہ تعالیٰ نے جنہیں بعض اجسام میں ثبت کر دیا تھا۔

ابو المعالی نے کہا: بلکہ یہ ضروری ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے خرق عادت کے طور پر اللہ تعالیٰ کے کلام کے ادراک کو تسلیم کیا جائے۔ اگر یہ قول نہ کیا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے کوئی تخصیص نہ رہے گی کہ اللہ تعالیٰ نے ان

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعۃ حتی یمر الرجل ... ، باب فی قتال المسلمین مع الیہود، جلد 2، صفحہ 396

سے کلام کی، جب کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلام سنایا۔ ان کے لیے علم ضروری پیدا فرمایا یہاں تک کہ انہیں علم ہو گیا کہ جو کچھ انہوں نے سنا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جس ذات نے اس سے کلام کیا اور جس ذات نے اسے ندا کی وہ رب العالمین ہے۔ اقاصیص میں وارد ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں نے تمام اعضاء کے ساتھ اپنے رب کا کلام سنا اور میں نے اسے اپنی جہتوں میں سے کسی ایک جہت سے اسے نہیں سنا۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

اَنْ یّٰمُوْسٰۤی ان محل نصب میں ہے کیونکہ حرف جر محذوف ہے اصل کلام یوں تھی بِأَن یا ، موسیٰ۔

اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ اللہ تعالیٰ نے غیر کے رب ہونے کی نفی کی ہے۔ اس کلام کے ذریعے آپ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے لوگوں میں سے ہو گئے رسولوں میں سے نہ ہوئے کیونکہ وہ رسول نہ ہوئے مگر اس کے بعد کہ آپ کو رسالت کا حکم دیا اور رسالت کا حکم اس کلام کے بعد ہوا۔

وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰۤى
اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۝۳۱

”اور (ذرا) ڈال دو (زمین پر) اپنے عصا کو، اب جو اسے دیکھا تو وہ اس طرح لہرا رہا تھا جیسے وہ سانپ ہو آپ پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (آواز آئی) اے موسیٰ! سامنے آؤ اور ڈرو نہیں یقیناً تم (ہر خطرہ سے) محفوظ ہو“۔

وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ اس کا عطف اَنْ یّٰمُوْسٰۤی پر ہے۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ نمل اور سورۂ طٰہٰ میں گزر چکی ہے۔ مُدْبِرًا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے اسی طرح وَّ لَمْ يُعَقِّبْ کا حال ہے یہ بھی حال ہونے کی حیثیت میں محل نصب میں ہے۔ یٰمُوْسٰۤی اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ وہب نے کہا: اسے کہا جائے گا جہاں تھے واپس چلے جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس لوٹے اور اپنے جبے کا حصہ اپنے ہاتھ میں لپیٹا فرشتے نے آپ سے کہا: مجھے بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی تکلیف کرے جس سے تو بچتا ہے تو کیا تیرا ہاتھ لپیٹنا تجھے نفع دے گا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: نہیں لیکن میں ضعیف ہوں میں ضعف سے پیدا کیا گیا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ کو ننگا کیا اور اسے سانپ کے منہ میں داخل کر دیا تو وہ سانپ عصا بن گیا۔ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ جس سے تو ڈرتا ہے اس سے تو امن میں ہے۔

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّ اضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ
الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا
فٰسِقِيْنَ ۝۳۲ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝۳۳ وَ اَخِيْ
هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْۤ ۫ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ
يُّكَذِّبُوْنِ ۝۳۴ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ

اِلَيۡكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَاۤ ۚ اَنۡتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ ۝۳۵

''ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں وہ نکلے گا سفید (چمکتا ہوا) بغیر کسی تکلیف کے اور رکھ لے اپنے سینہ پر اپنا ہاتھ خوف دور کرنے کے لیے تو یہ دو دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف (لے جانے کے لیے) بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں۔ آپ نے عرض کی: میرے رب! میں نے تو قتل کیا تھا اس میں سے ایک شخص کو پس میں ڈرتا ہوں کہیں وہ مجھے قتل نہ کر ڈالیں اور میرا بھائی ہارون وہ زیادہ فصیح ہے مجھ سے گفتگو کرنے میں تو اسے بھیج میرے ساتھ میرا مددگار بنا کر تا کہ وہ میری تصدیق کرے میں ڈرتا ہوں کہ مجھے جھٹلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم مضبوط کریں گے تیرے بازو کو تیرے بھائی سے اور ہم عطا کریں گے تمہیں ایسا غلبہ (اور شوکت) کہ وہ تمہیں (اذیت) نہیں پہنچا سکیں گے ہماری نشانیوں کے باعث تم دونوں اور تمہارے پیروکار ہی غالب آئیں گے''۔

اُسۡلُكۡ يَدَكَ فِىۡ جَيۡبِكَ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے وَّاضۡمُمۡ اِلَيۡكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهۡبِ من حرف جار ولّٰی کے متعلق ہے یعنی ولیٰ مدبرا من الرھب۔ حفص، سلمی، عیسیٰ بن عمر اور ابن ابی اسحاق نے مِنَ الرَّهۡب راء کے فتحہ اور ہاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عامر، کوفہ کے قراء نے سوائے حفص کے راء کے ضمہ اور ہاء کی جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے راء اور ہاء دونوں کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَيَدۡعُوۡنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا (الانبیاء: 90) یہ سب لغتیں ہیں اور معنی خوف ہے۔ معنی ہے جب تیرے ہاتھ کا معاملہ اور اس کی شعاع تجھے پریشان کرے تو اسے اپنے گریبان میں داخل کرو اور اسے لوٹاؤ تو جس طرح وہ پہلے تھا اس طرح ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا ہاتھ اپنے سینے کے ساتھ ملانے کا حکم دیا تو اس کی وجہ سے سانپ کا خوف ختم ہو گیا' یہ مجاہد اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ ضحاک نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جس کے دل میں خوف ہوتا پھر وہ اپنا ہاتھ داخل کرتا اور اسے اپنے سینے پر رکھتا تو اس کا خوف ختم ہو جاتا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز سے مروی ہے کہ ایک کاتب آپ کے سامنے لکھ رہا تھا اس کی ہوا خارج ہو گئی وہ شرمندہ ہوا، وہ اٹھا اور اپنا قلم زمین پر مارا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اسے فرمایا: اپنا قلم اٹھاؤ اور اپنے ہاتھ کو سینہ پر رکھو تیری روح خوش ہو جائے گی۔ میں کسی اور سے اسے اتنا نہیں سنتا جتنا میں یہ آواز اپنے آپ سے سنتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنا ہاتھ اپنے سینے پر مارتا کہ تیرے سینے میں جو خوف ہے اللہ تعالیٰ اسے دور کر دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام خوف کی وجہ سے کانپتے تھے یا تو آل فرعون سے یا سانپ سے۔ ضم جناح سے مراد سکون ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ (الاسراء: 24) اس سے مراد نرمی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝ (الشعراء) یعنی ان پر نرمی کیجیے۔ فراء نے کہا: جناح سے مراد عصا لیا ہے۔ بعض اہل معانی نے

کہا: الرھب سے مراد حمیر اور بنی حنیفہ کی لغت میں آستین ہے۔ مقاتل نے کہا: ایک بدوی عورت نے مجھ سے کوئی چیز مانگی جب کہ میں کھانا کھا رہا تھا میں نے ہتھیلی بھری اور اس کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے کہا: ھاھنا فی رھبی وہ اپنی آستین کا ارادہ کر رہی تھی یعنی میری آستین میں ڈالو۔ اصمعی نے کہا: میں نے ایک بدو کو دوسرے کو کہتے ہوئے سنا: اعطنی رھبتی میں نے اس سے رہب کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: آستین۔ اس تعبیر کی صورت میں معنی ہوگا اپنا ہاتھ اپنے جسم کے ساتھ جمع کرو اور اسے آستین سے نکالو کیونکہ آپ نے عصا پکڑا جب کہ ان کا ہاتھ ان کی آستین میں تھا۔ اُسۡلُكۡ یَدَكَ فِیۡ جَیۡبِكَ یہ قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مراد دایاں ہاتھ ہے کیونکہ جیب (گریبان) بائیں پر ہوتی ہے؛ قشیری نے یہ ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: علماء نے جو تفسیر بیان کی ہے کہ ہاتھ کو سینے پر رکھنے کا امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ گریبان سینے پر ہوتا ہے۔ سورۃ النور میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ زمخشری نے کہا: یہ عجیب تفسیر ہے کہ حمیر کی لغت میں رہب سے مراد آستین ہے وہ کہتے ہیں: اعطنی مما فی رھبتک کاش میں جانتا کہ لغت میں یہ کیسے درست ہو سکتا ہے؟ کہا: اس نے قابل اعتماد لوگوں سے سنا ہے جن کی زبان پر رضا مندی کا اظہار کیا جاتا ہے پھر کاش میں جانتا کہ آیت میں اس کا کیا موقع ہے اور کیسے قرآن کے باقی ماندہ کلمات کے ساتھ مفصل تطبیق ہوگی؟ اس کی وجہ یہ ہے جس رات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کا شرف حاصل کیا اس وقت ان کے جسم پر اون کا جبہ تھا جس کی آستینیں نہیں تھیں۔ قشیری نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَّاضۡمُمۡ اِلَیۡكَ جَنَاحَكَ اس سے مراد دونوں ہاتھ ہیں اگر ہم کہیں: سانپ کے خوف سے امن کا ارادہ کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَّاضۡمُمۡ اِلَیۡكَ جَنَاحَكَ اس سے مراد ہے آستینیں چڑھا لو اور تیاری کر لو تاکہ تو رسالت کا بوجھ اٹھا لے۔

میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے کہا گیا ہے اِنَّكَ مِنَ الۡاٰمِنِیۡنَ یعنی تو رسولوں میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنِّیۡ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ○ (النمل) ابن بحر نے کہا: اس تاویل کی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قول کے ساتھ رسول بن گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قول کے ساتھ رسول بنے: فَذٰنِكَ بُرۡهَانٰنِ مِنۡ رَّبِّكَ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ برھانان سے مراد ید بیضا اور عصا ہے۔ ابن کثیر نے نون کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اس میں تخفیف کی ہے۔ ابو عمارہ نے ابو الفضل سے وہ ابو بکر سے وہ ابن کثیر سے روایت نقل کرتے ہیں فذانیك یعنی تشدید اور یاء کے ساتھ۔ ابو عمرو سے یہ بھی مروی ہے کہ بنو ہذیل کی لغت فذانیك ہے قریش کی لغت فذانك ہے جس طرح ابو عمرو اور ابن کثیر نے قراءت کی ہے۔ اس کی علت میں پانچ قول ہیں (1) ایک قول یہ کیا گیا: نون کو شد اس الف کے عوض دی گئی ہے جو اس ذالك میں ساقط ہے جو ذا مرفوع کا تثنیہ ہے۔ اس کو رفع ابتدا کی وجہ سے دیا گیا ہے ذا کا الف محذوف ہے کیونکہ اس پر الف تثنیہ داخل ہے۔ اجتماع ساکنین کی طرف توجہ نہیں کی کیونکہ اس کا اصل فذانك ہے پہلے الف کو نون مشددہ کے عوض حذف کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تشدید، تاکید کے لیے ہے جس طرح انہوں نے اس میں لام کو داخل کیا۔

کلبی نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے جس نے اس کو شد دی ہے اس نے اس کی بنیاد اس آدمی کی لغت پر رکھی ہے جس واحد میں ذلك کہا جب یہ بنا ہے تو نون تثنیہ کے بعد اس نے لام کو ثابت رکھا پھر لام کو نون میں مدغم کر دیا یہ اس آدمی کے

ہے جس نے دوسرے حرف کو پہلے میں ادغام کا قول کیا ہے، جب کہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ پہلے کو دوسرے حرف میں ادغام کیا جائے، مگر کوئی اس میں مانع ہو تو دوسرے حرف کو پہلے حرف میں مدغم کیا جاتا ہے۔ جو علت اس کے مانع ہے کہ پہلے حرف کو دوسرے حرف میں مدغم کیا جائے وہ یہ ہے کہ اگر ایسا کیا جائے تو اس نون کی جگہ جو تثنیہ پر دلالت کرتی ہے اس کی جگہ لام مشدد ہو جاتا ہے تو تثنیہ کا لفظ ہی بدل جاتا ہے تو اس وجہ سے دوسرے حرف کو پہلے حرف میں مدغم کر دیا جاتا ہے تو وہ نون مشدد ہو جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب یہ اس کے منافی ہے تو نون سے قبل لام کو ثابت رکھا پھر پہلے حرف کو دوسرے میں ادغام کیا جس طرح ادغام کا طریقہ ہے تو وہ نون مشدد ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کو شد اس لیے دی گئی تا کہ اس کے درمیان اور اس اسم ظاہر کے درمیان فرق کیا جائے اضافت جس کے نون کو ساقط کر دیتی ہے، کیونکہ ذان کا لفظ مضاف نہیں کیا جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسم معرف اور اس اسم کے درمیان فرق کرنے کے لیے اسے شد دی گئی ہے۔ الذان اور ھذان کی تشدید میں یہی علت ہے۔ ابوعمرو نے کہا: ابوعمرو نے اس حرف کو تشدید کے ساتھ خاص کیا ہر تثنیہ میں یہ قاعدہ جاری نہیں کیا جو اس جنس سے تعلق رکھتا ہو، کیونکہ اس کے حروف تھوڑے ہیں تو اسے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ جس نے اسے فذانیک یاء کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ نون میں تخفیف ہے تو اس کے نزدیک اصل فذانك تشدید کے ساتھ ہے دوسرے نون کو یاء سے بدل دیا، کیونکہ ایک جنس کے حروف کو ناپسند کیا ہے جس طرح علماء نے کہا: لا املاہ یہ اصل میں لا املہ تھا۔ دوسرے لام کو الف سے بدل دیا۔ جس نے نون مشدد کے بعد یاء پڑھا تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ اس نے نون کے کسرہ میں اشباع کا قاعدہ جاری کیا تو اس سے یاء نے جنم لیا۔

فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً اسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیجئے۔ یہ اردأتہ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے میں نے اس کی مدد کی۔ ردء کا معنی مدد ہے۔ شاعر نے کہا:

ألم تر أنّ أصرم كان ردئی وخیرَ النّاسِ فی قُلٍّ ومال

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اصرم میرا مددگار ہے مال ہو یا نہ ہو وہ بہترین انسان ہے۔

نحاس نے کہا: قد اردأہ، ردأہ، دونوں کا معنی مدد کرنا ہے۔ تخفیف کے طریقہ پر ہمزہ کو ترک کر دیا؛ نافع نے یہی قرأت کی ہے۔ یہ مہموز کے معنی میں ہے۔ مہدوی نے کہا: عربوں کے اس قول سے ہمزہ کو ترک کرنا جائز ہے اردی علی الستاھو سے زائد، گویا معنی ہے اسے میرے ساتھ بھیجئے تا کہ میری تصدیق میں اضافہ ہو؛ یہ مسلم بن جندب نے قول کیا ہے؛ شاعر کے شعر میں یہ الفاظ ہیں:

وأسمر خَطِّیًّا كَاَنَّ كُعوبه نوی القَسْب قد أردیٰ ذراعا على العَشْر

مقام خط کے نیزے گویا ان کی گرہ ٹھوس خشک کھجور کی گٹھلی ہے وہ نیزہ دس ہاتھ سے ایک ذراع زائد ہے۔

ماوردی نے اسے اس طرح بیان کیا ہے۔ غزنوی اور جوہری نے صحاح میں قد أرمی ذکر کیا ہے۔ کہا: القسب سے مراد سخت ہے القسب خشک کھجور ہے گٹھلی کی سختی منہ میں ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ کہا: شاعر نیزہ کی تعریف کرتا ہے۔ جوہری نے

کہا: ردؤ الشیء یردؤ رداءۃ فھو ردی یعنی وہ فاسد ہے۔ اردأتہ میں نے اسے فاسد کیا۔ اردأتہ میں نے اس کی مدد کی۔ تو کہتا ہے: اردأتہ بنفسی میں اس کا مددگار تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُّصَدِّقُنِيٓ۔ نحاس نے کہا: وقد حکی رَدأتُه، ردء او جمع ردء، ارداء۔ ردء کی جمع ارداء ہے۔ عاصم اور حمزہ نے یصدقنی رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے اسے جزم دی ہے؛ یہ ابو حاتم کا پسندیدہ قول ہے۔ یہ دعا کے جواب میں ہے۔ ابو عبید نے أرسله میں جو باء ضمیر ہے اس سے حال ہونے کی وجہ سے رفع پسند کیا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ارسله ردءا مصدقا حالة التصديق جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے أَنزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُونُ (المائدہ: 114) تَكُونُ، كائنة کے معنی میں ہے یہ حال ہے جو استقبال کی طرف پھیر دیا گیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ردءا کی صفت ہے۔ إِنِّيٓ أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ جب میرا کوئی وزیر یا مددگار نہ ہو کیونکہ وہ میری بات سمجھنے والے نہیں۔ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا: ہم تیرے بھائی کے ذریعے تجھے قوت بہم پہنچائیں گے۔ یہ تمثیل ہے کیونکہ ہاتھ کی قوت بازو کے ساتھ ہی ہوتی ہے؛ طرفہ نے کہا:

بَنِي لُبَيْنَى لستُمْ بيدٍ إِلَّا يداً ليست لها عَضُد

اے بنی لبینی تم ہاتھ نہیں ہو مگر ایسا ہاتھ جس کا بازو نہ ہو۔

اچھی دعا کے موقع پر یہ کہا جاتا ہے: شد اللہ عضدك اس کی ضد میں کہا جاتا ہے: فت اللہ فی عضدك اللہ تعالیٰ تیرے بازو کو مضبوط کرے۔ اللہ تعالیٰ تیرے بازو کو ریزہ ریزہ کرے۔

وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَٰنًا سلطان سے مراد حجت اور برہان ہے۔ فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا وہ تم دونوں کو اذیت نہیں دے سکتے بِـَٔايَٰتِنَآ تم ہماری آیات کی وجہ سے محفوظ و مامون رہو گے۔ جائز ہے کہ إِلَيْكُمَا پر وقف کیا جائے کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے ربما ومن اتبعکما الغالبون بایاتنا، یہ اخفش اور طبری کا قول ہے۔ مہدوی نے کہا: اس صورت میں صلہ موصول پر مقدم ہوتا ہے مگر یہ مقدر کیا جائے انتما غالبان بایاتنا انما ومن اتبعکما الغالبون یہاں آیات سے مراد آپ کے باقی معجزات ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَهُم مُّوسَىٰ بِـَٔايَٰتِنَا بَيِّنَٰتٍ قَالُوا۟ مَا هَٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَمَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِيٓ ءَابَآئِنَا ٱلْأَوَّلِينَ ﴿٣٦﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّيٓ أَعْلَمُ بِمَن جَآءَ بِٱلْهُدَىٰ مِنْ عِندِهِۦ وَمَن تَكُونُ لَهُۥ عَٰقِبَةُ ٱلدَّارِ ۖ إِنَّهُۥ لَا يُفْلِحُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٣٧﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِى فَأَوْقِدْ لِى يَٰهَٰمَٰنُ عَلَى ٱلطِّينِ فَٱجْعَل لِّى صَرْحًا لَّعَلِّىٓ أَطَّلِعُ إِلَىٰٓ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّى لَأَظُنُّهُۥ مِنَ ٱلْكَٰذِبِينَ ﴿٣٨﴾ وَٱسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُۥ فِى ٱلْأَرْضِ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَظَنُّوٓا۟ أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ﴿٣٩﴾ فَأَخَذْنَٰهُ وَجُنُودَهُۥ فَنَبَذْنَٰهُمْ فِى ٱلْيَمِّ ۖ فَٱنظُرْ كَيْفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٤٠﴾ وَجَعَلْنَٰهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى ٱلنَّارِ ۖ

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۝

”پھر جب آئے فرعونیوں کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) ہماری روشن نشانیاں لے کر انہوں نے کہا: نہیں ہے یہ مگر جادو گھڑا ہوا اور ہم نے نہیں سنیں اس قسم کی باتیں اپنے پہلے آباء واجداد کے زمانہ میں اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: میرا رب خوب جانتا ہے اسے جو اس کی بارگاہ سے (نور) ہدایت لے کر آیا ہے اور وہی جانتا ہے کہ اس کا انجام اچھا ہوگا بے شک بامراد نہیں ہوتے ظلم وستم کرنے والے (یہ سن کر) فرعون نے کہا: اے اہل دربار! میں تو نہیں جانتا کہ تمہارے لیے میرے سوا کوئی اور خدا ہے پس آگ جلا میرے لیے اے ہامان! اور اس پر اینٹیں پکوا میرے لیے ایک اونچا محل تعمیر کر شاید (اس پر چڑھ کر) میں سراغ لگا سکوں موسیٰ کے خدا کا اور میں تو اس بارے میں یہ خیال کرتا ہوں کہ یہ جھوٹا ہے اور تکبر کیا ہے اس نے اور اس کی فوجوں نے زمین میں ناحق اور وہ یہ گمان کرتے رہے کہ انہیں ہماری طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔ پس ہم نے پکڑ لیا اسے اور اس کے لشکریوں کو اور پھینک دیا انہیں سمندر میں دیکھو! کیسا (ہولناک) انجام ہوا ظلم وستم کرنے والوں کا۔ اور ہم نے بنایا تھا انہیں ایسے پیشوا جو بلا رہے تھے (اپنی رعایا کو) آگ کی طرف اور روز محشر ان کی مدد نہیں کی جائے گی اور ہم نے ان کے پیچھے اس دنیا میں بھی لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے دن بھی ان کا شمار ملعونوں میں ہوگا“۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ حضرت موسیٰ علیہ السلام واضح اور ظاہر آیات لائے۔ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى انہوں نے کہا: یہ گھڑا ہوا جھوٹ ہے۔ وَمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیات جن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توحید کے اثبات میں استدلال کیا ہے جو دلائل عقلیہ سے تعلق رکھتی ہیں ہم نے انہیں اپنے آباء سے تو نہیں سنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیات سے مراد معجزات ہیں۔

وَقَالَ مُوْسٰى عام قراءت واؤ کے ساتھ ہے۔ مجاہد، ابن کثیر اور ابن محیصن نے واؤ کے بغیر قال قراءت کی ہے اہل مکہ کے مصحف میں یہ اس طرح ہے رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى، ھدی سے مراد رشاد ہے۔ مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عاصم کے علاوہ کوفہ کے قراء نے یکون یاء کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے عَاقِبَةُ الدَّارِ یعنی دار جزا اِنَّهٗ ہاء ضمیر امر وشان ہے لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کلام اور انا ربکم الاعلی کے قول کے درمیان چالیس سال کا عرصہ حائل ہے۔ اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے بلکہ اسے علم تھا کہ اس کا وہاں رب ہے جو اس کا اور اس کی قوم کا خالق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (الزخرف: 87) اس نے کہا: فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ میرے لیے اینٹیں پکا دے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ قتادہ نے کہا: فرعون وہ پہلا شخص ہے جس نے اینٹیں پکوائیں اور ان سے عمارت بنوائی۔

جب فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ وہ اس کے لیے محل بنائے تو ہامان نے مزدور جمع کیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے پچاس ہزار مستری جمع کیے معاونین اور مزدور اس کے علاوہ تھے اس نے اینٹیں پکانے، چونا تیار کرنے، لکڑی چیرنے اور کیل لگانے کا حکم دے دیا۔ انہوں نے محل بنایا، محل کو خوب اونچا کیا اور اسے پختہ کیا جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا کوئی عمارت اس تک نہیں پہنچتی تھی۔ عمارت بنانے والا اس کی چوٹی پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے آزمانے کا ارادہ کیا۔ سدی نے حکایت بیان کی ہے: فرعون اس چھت پر چڑھا اور ایک تیر آسمان کی طرف پھینکا وہ تیر خون میں لت پت واپس آیا۔ اس نے کہا: میں نے (حضرت) موسیٰ کے الٰہ کو قتل کر دیا ہے۔ روایت بیان کی جاتی ہے: اللہ تعالیٰ نے اس کی اس گفتگو کے موقع پر جبریل امین کو بھیجا حضرت جبریل امین نے اپنا پر مارا تو اس نے محل کے تین ٹکڑے کر دیئے۔ ایک ٹکڑا فرعون کے لشکر پر پڑا جس کی وجہ سے ان کے دس لاکھ سپاہی مارے گئے ایک ٹکڑا سمندر میں جا گرا اور ایک ٹکڑا مغرب میں جا گرا اور وہ تمام ہلاک ہو گئے جنہوں نے اس محل کے بنانے میں کام کیا۔ اللہ تعالیٰ اس بات کی صحت کو خوب جانتا ہے۔

وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ یہاں ظن سے مراد شک ہے۔ اس نے شک کرتے ہوئے انکار کیا کیونکہ اس نے ایسے دلائل دیکھے جن کا سمجھنا عقل مند پر کوئی مشکل نہ تھا۔

وَ اسْتَكْبَرَ هُوَ وَ جُنُوْدُهٗ فرعون نے خود اور اس کے لشکروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے اپنے آپ کو بڑا خیال کیا۔ **فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ**، بغیر الحق سے مراد سرکشی ہے یعنی اس کے پاس کوئی ایسی دلیل نہ تھی جس کے ساتھ وہ ان معجزات کا دفاع کر سکتا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔ **وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ** انہوں نے گمان کیا کہ نہ ان کے لیے معاد ہے اور نہ ہی دوبارہ اٹھانا ہے۔ نافع، ابن محیصن، شیبہ، حمید، یعقوب، حمزہ اور کسائی نے لا یَرجِعون پڑھا یعنی یاء پر فتحہ اور جیم کے نیچے کسرہ ہے، اس بنا پر کہ یہ معروف کا صیغہ ہے۔ باقی قراء نے یُرجعون مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، یہ ابو عبید کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ پہلا قول ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ **فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ** وہ ستائیس لاکھ تھے۔ **فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ** ہم نے انہیں نمکین سمندر میں پھینک دیا۔ قتادہ نے کہا: مصر سے آگے ایک سمندر ہے جسے اساف کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اس میں غرق کیا۔ وہب اور سدی نے کہا: وہ جگہ جہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں غرق کیا وہ بحر قلزم کی ایک جانب تھی جسے بطن جزیرہ کہا جاتا۔ وہ آج تک غصے میں ہے۔ مقاتل نے کہا ہے: مراد دریائے نیل ہے۔ یہ قول ضعیف ہے۔ پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔ **فَانْظُرْ** اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیکھیے۔ **كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ** ان کے امر کا انجام کیسے ہوا؟ **وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً** ہم نے انہیں زعماء بنا دیا ہے جن کی کفر پر پیروی کی جاتی ہے ان پر ان کا بوجھ ہے اور ان کا بوجھ ہوتا ہے جو ان کی پیروی کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کی سزا زیادہ ہو جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم میں سے ایسے سردار بنا دیئے جو ان میں سے بے وقوفوں کے سردار تھے تو وہ جہنم کی طرف دعوت دیتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ایسے ائمہ تھے جن کی اتباع عبرت والے کرتے اور ان سے صاحب بصیرت نصیحت حاصل کرتے۔ **یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ** جہنمیوں کے عمل کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ **وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ** قیامت کے روز ان کی مدد نہ کی جائے گی۔

وَ اَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ہم نے بندوں کو حکم دیا کہ ان پر لعنت کریں تو جو بھی ان کا ذکر کرے تو ان پر لعنت کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یعنی ہم نے ان پر لعنت کو لازم کیا یعنی خیر سے دوری کو لازم کیا۔ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ جس کو ہلاک کیا گیا ہو اور ان پر ناراضگی کی گئی ہوئی؛ یہ ابن کیسان اور ابو عبیدہ کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کے چہروں کے سیاہ ہونے اور آنکھوں کے نیلے ہونے کے ساتھ ان کی شکلیں ہی بدل گئی ہوں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دور کیے گئے لوگوں میں سے ہوں گے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: قبحه الله یعنی اسے یہ بھلائی سے الگ کر دیا گیا۔ قبحه و قبحه جب اسے قبیح بنا دیا۔ ابو عمرو نے کہا: قبحت وجهه جب شد نہ ہو تو اس کا معنی بھی قبحت ہی ہے یعنی مجرد اور مزید فیہ دونوں بابوں سے معنی ایک ہی ہے؛ شاعر نے کہا:

أَلَا قَبَحَ اللهُ البَرَاجِمَ كُلَّها　وَقَبَّحَ يَرْبُوعًا وَ قَبَّحَ دَارِمَا

اللہ تعالیٰ تمام براجم کو بھلائیوں سے دور کرے یربوع اور دارم کو بھلائی سے دور کرے۔

یَوْمَ کو نصب اس لیے دی ہے کیونکہ یہ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا کے محل پر محمول ہے(1)۔ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ حرف عطف کا ذکر نہیں یعنی حرف عطف سے مستغنی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں حرف عطف نہیں: سَیَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ (الکہف: 22) یہ بھی جائز ہے کہ یوم میں عامل مضمر ہو جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓىِٕكَةَ لَا بُشْرٰى یَوْمَىِٕذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ (الفرقان: 22) یہ بھی جائز ہے کہ یوم میں عامل هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ہے اگرچہ ظرف متقدم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مجاز کے قاعدہ کے مطابق مفعول ہو گویا فرمایا: واتبعناهم فی هذه الدنیا لعنة یوم القیامة۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ۝

”اور ہم نے دی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اس کے بعد کہ ہم نے ہلاک کر دیا تھا پہلی (نافرمان) قوموں کو (یہ کتاب) لوگوں کے لیے بصیرت افروز اور سراپا ہدایت و رحمت تھی تا کہ وہ نصیحت قبول کریں“۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ، الکتاب سے مراد تورات ہے، یہ قتادہ کا قول ہے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ پہلی کتاب ہے یعنی تورات جس میں فرائض، حدود اور احکام نازل ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں کتاب سے مراد مثانی سبع میں سے چھ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، اسے مرفوع روایت کیا ہے۔

مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے کسی قوم، قرن (زمانہ کے لوگ) امت اور اہل قریہ کو آسمان کے عذاب سے ہلاک کیا اور نہ ہی زمین کے عذاب سے ہلاک کیا۔

1۔ در منثور، جلد 5، صفحہ 235

جب سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل کیا سوائے اس بستی کے جن کو بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا گیا تھا۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو نہیں دیکھتے: وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى ''۔ مراد قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود کے بعد۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بعد اس کے کہ ہم نے فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا اور قارون کو زمین میں دھنسایا۔ بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ یعنی ہم نے اسے کتاب دی جو بصیرتیں ہیں یعنی وہ اس سے بصیرت حاصل کریں۔ وَ هُدًى جو آدمی اس پر عمل کرے اس کو گمراہی سے ہدایت دینے والی ہے وَ رَحْمَةً جو اس پر ایمان لائے اس کے لیے رحمت۔ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ تاکہ اس نعمت کو یاد کریں اور دنیا میں اپنے ایمان پر قائم رہیں اور آخرت میں اپنے ثواب پر اعتماد کریں۔

وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَ لٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَ مَا كُنْتَ ثَاوِیًا فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۙ وَ لٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ﴿۴۵﴾

''اور آپ نہیں تھے (طور کی) مغربی سمت میں جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف (رسالت) کا حکم بھیجا اور نہ آپ گواہوں میں شامل تھے لیکن ہم نے پیدا فرمائیں کئی قومیں (یکے بعد دیگرے) اور کافی لمبا عرصہ گزر گیا ان پر (اور انہوں نے عہد خداوندی بھلا دیا) اور آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے تاکہ آپ پڑھ کر سناتے انہیں ہماری آیتیں لیکن ہم ہی رسول بنا کر بھیجنے والے تھے''۔

وَ مَا كُنْتَ اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم آپ نہیں تھے بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ پہاڑ کی مغربی جانب؛ شاعر نے کہا:

أعطاكَ من أعطى الهُدَى النَّبِيَّا نُورًا يَزِينُ المِنبَرَ الغربِيَّا

جس نے سراپا ہدایت نبی عطا کیا اس نے تجھے ایسا نور عطا کیا جو منبر کی مغربی جانب کو مزین کرتا ہے۔

اِذْ قَضَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ جب ہم نے اسے اپنے امر اور اپنی نہی کا مکلف بنایا اور اپنا عہد اس پر لازم کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف آپ کا امر پہنچایا اور ہم نے تیرا ذکر اچھے انداز میں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اِذْ قَضَیْنَاۤ کا معنی ہے یعنی ہم نے خبر دی کہ حضرت محمد ﷺ کی امت بہترین امت ہے وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ تو حاضرین میں سے نہ تھا۔

وَ لٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد فَتَطَاوَلَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد اور امر کو بھلا دیا۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ الخ (الحدید: 16) اس کا ظاہر واجب کرتا ہے کہ اس وقت ہمارے نبی کا ذکر جاری ہوا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے مبعوث فرمائے گا، لیکن مدت لمبی ہو گئی سختی غالب آ گئی اور قوم اس کو بھول گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی اور ہم نے اس کی قوم سے عہد لیے پھر زمانہ طویل ہو گیا اور انہوں نے کفر کیا تو ہم نے حضرت محمد ﷺ کو دین کا مجدد بنا کر بھیج دیا اور مخلوق کو

اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا بنا کر بھیج دیا۔

وَ مَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ آپ ان میں مقیم نہ تھے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام ان کے درمیان مقیم تھے۔ عجاج نے کہا:

فبات حیث یدخل الثَّوِیُّ اس نے وہاں رات گزاری جہاں اقامت کرنے والا مہمان داخل ہوتا ہے۔

تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا انہیں وعدہ اور وعید یاد دلائیں۔ وَ لٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ہم نے تجھے اہل مکہ میں بھیجا اور ہم نے تجھے ایسی کتاب دی جس میں یہ خبریں ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا تو آپ انہیں نہ جانتے ہوتے۔

وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَ لٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۴۶

''اور آپ (اس وقت) طور کے کنارہ پر بھی نہ تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) ندا فرمائی لیکن یہ آپ کے رب کی محض رحمت ہے (کہ اس نے آپ کو ان حالات پر آگاہ کر دیا) تاکہ آپ (قہر الٰہی سے) ڈرائیں اس قوم کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے شاید وہ نصیحت قبول کریں''۔

وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا جس طرح آپ مکان کی غربی جانب نہیں تھے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا اسی طرح آپ طور کی جانب بھی نہیں تھے جب ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا کی جب وہ ستر افراد کے ساتھ وقت مقررہ پر آئے تھے۔ عمرو بن دینار نے مرفوع روایت نقل کی ہے: ندا کی گئی: اے امت محمد! میں نے تمہاری دعا قبول کی قبل اس کے کہ تم دعا کرو اور میں نے تمہیں عطا کر دیا قبل اس کے کہ تم مجھ سے سوال کرو (1)۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہی فرمان ہے: وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے امت محمد! میں نے تمہاری دعا قبول کر لی قبل اس کے کہ تم مجھ سے دعا کرو اور میں نے تمہیں عطا کیا قبل اس کے کہ تم مجھ سے سوال کرو، تمہاری مغفرت طلب کرنے سے پہلے میں نے تمہیں بخش دیا اور تمہارے رحم طلب کرنے سے پہلے تم پر رحم کیا (2)۔

وہب نے کہا: اس کی وجہ یہ بنی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کی امت کی فضیلت کا ذکر کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے امت محمد! تو انہوں نے اپنے آباء کی پشتوں سے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تمہاری عرض داشت کو پورا کیا قبل اس کے کہ تم مجھ سے دعا کرو۔ اس تعبیر کی بنا پر معنی ہوگا: آپ طور کی جانب نہیں تھے جب ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی اور ہم نے اسے تیری امت کو ندا کی اور ہم نے تیرے لیے اور تیری امت کے لیے قیامت تک جو کچھ لکھ دیا ہے اس کے بارے میں اسے خبر دی۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 96 2۔ ایضاً

وَ لٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ یعنی جو ہم نے کہا ہے یہ تمہارے اوپر اپنی جانب سے رحمت کے طور پر کیا ہے۔ اخفش نے کہا: رَّحْمَةً مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے تقدیر کلام یہ ہے لکن رحمناك رحمة۔ زجاج نے کہا: یہ مفعول لاجلہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ فعل ذلك بك لاجل الرحمة۔ نحاس نے کہا: آپ نے انبیاء کے واقعات کا مشاہدہ نہ کیا اور نہ ہی انہیں آپ پر بیان کیا گیا لیکن ہم نے تجھے مبعوث کیا اور ہم نے رحمت کے لیے تیری طرف وحی کی۔ کسائی نے کہا: کان کی خبر ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے لکن کان رحمة رفع دینا بھی جائز ہے یہ اس معنی میں ہے ھی رحمة۔ زجاج نے کہا: رفع جائز ہے اس معنی کا اعتبار کرتے ہوئے لکن فعل ذلك رحمة۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ قوم سے مراد عرب ہیں آپ نے ان اخبار کا مشاہدہ نہیں کیا لیکن ہم نے انہیں تیری طرف وحی کیا ان پر رحمت کرتے ہوئے جن کی طرف آپ کو بھیجا گیا ہے تا کہ آپ ان کے ذریعے انہیں ڈرائیں۔

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

وَ لَوْ لَاۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْ لَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُوْتِيَ مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَ لَمْ يَكْفُرُوْا بِمَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ٝ وَ قَالُوْۤا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

"(اور ان کی وجہ یہ ہے) کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب پہنچے انہیں کوئی مصیبت ان اعمال کے باعث جو انہوں نے کیے ہیں تو وہ یہ نہ کہنے لگیں کہ اے ہمارے رب! کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تا کہ ہم پیروی کرتے تیری آیات کی اور ہم ہو جاتے ایمان لانے والوں سے۔ پھر جب آ گیا ان کے پاس حق ہماری جناب سے تو وہ کہنے لگے: کیوں نہ دیئے گئے انہیں اس قسم کے معجزے جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے (ان نابکاروں سے پوچھو) کیا انہوں نے انکار نہیں کیا تھا ان معجزات کا جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے اس نے کہا: (موسیٰ وہارون) دو جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں نیز انہوں نے کہا تھا: ہم ان تمام کا انکار کرتے ہیں"۔

وَ لَوْ لَاۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ، ھم ضمیر سے مراد قریش ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد یہودی ہیں۔ مُّصِيْبَةٌ اس سے مراد عقوبت اور انتقام ہے۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اس سے مراد کفر اور معاصی ہیں۔ ایدی کا خصوصا ذکر کیا کیونکہ عموماً کمائی اس سے واقع ہوتی ہے۔ لَوْ لَاۤ کا جواب محذوف ہے۔ ان کے سابقہ گناہوں کی وجہ سے انہیں کیوں عذاب نہیں پہنچا۔ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْ لَاۤ، لولا، ھلا کے معنی میں ہے۔ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا ہم نے رسول کیوں نہیں بھیجے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے کیوں عذاب کو جلدی نہیں بھیجا؟ رسولوں کو مبعوث کرنا، کفار کے عذر کو ختم کرنے کے لیے ہے جس طرح سورۃ الاسراء اور سورۃ طٰہٰ کے آخر میں گزر چکا ہے۔ فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ فعل کو نصب تخصیص کے جواب کے طور پر ہے۔ وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فعل کا عطف فنتبع پر ہے۔ مومنین سے مراد تصدیق کرنے والے ہیں۔ اس آیت سے اس نے استدلال کیا ہے

جس نے یہ کہا: عقل ایمان اور شکر کو واجب کر دیتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ یہ عقاب کا موجب ہے کیونکہ وجوب رسولوں کی بعثت سے قبل ثابت ہو چکا تھا۔ یہ عقل سے بھی جانا جا سکتا ہے۔ قشیری نے کہا: صحیح یہ ہے کہ کلام محذوف یوں ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو نئے رسول بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی، یعنی یہ کفار معذور نہیں کیونکہ ان تک سابقہ شریعتیں پہنچ چکی ہیں اور توحید کی دعوت بھی پہنچ چکی ہے لیکن زمانہ طویل ہو گیا اگر ہم ان کو عذاب دیتے تو ان میں سے کوئی کہنے والا کہتا: رسولوں کا زمانہ طویل ہو گیا۔ یہ گمان کیا جاتا ہے کہ یہ عذر ہے جب کہ ان کے لیے کوئی عذر نہیں کیونکہ انہیں رسولوں کی بعثت کی خبر پہنچی ہے لیکن ہم نے عذر کو مکمل طور پر ختم کر دیا اور بیان کو مکمل کر دیا، پس اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تجھے ان کی طرف مبعوث کیا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ وہ کس بندے کو بیان اور حجت کے اکمال اور رسولوں کی بعثت کے بعد ہی سزا دے گا۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا حق سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ قَالُوْا یعنی کفار مکہ نے کہا: لَوْلَاۤ اُوْتِیَ مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰی، لولا، ھلا کے معنی میں ہے مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ سے مراد عصا اور ید بیضا ہے اور تورات کی طرح آپ کو قرآن حکیم اکٹھے کیوں نازل نہیں کیا گیا؛ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پہنچ چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوَلَمْ یَكْفُرُوْا بِمَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا، ساحران سے مراد انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لیے ہیں جن دونوں نے باہم جادو پر تعاون کیا معاذ اللہ۔ کلبی نے کہا: قریش نے یہودیوں کی طرف پیغام بھیجا اور ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور ان کے معاملہ کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا: ہم تورات میں آپ کی نعت اور صفت پاتے ہیں۔ جب جواب ان تک پہنچا۔ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ایک قوم کا خیال ہے: یہودیوں نے مشرکوں کو تعلیم دی اور انہوں نے کہا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھو آپ کو اس طرح کی چیزیں کیوں نہ عطا کی گئیں جس طرح کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئیں، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ہی دفعہ تورات دی گئی تھی۔ یہ استدلال یہودیوں پر وارد ہوتا ہے یعنی کیا ان یہودیوں نے یہ کہہ کر اس چیز کا انکار نہیں کیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں یہ کہا تھا: ھما ساحران یہ دونوں جادوگر ہیں۔

اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ہم ان میں سے ہر ایک کا انکار کرنے والے ہیں۔ کوفیوں نے پڑھا سحران یہ الف کے بغیر ہے مراد انجیل اور قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد تورات اور فرقان ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد تورات اور انجیل ہے؛ یہ ابو رزین کا قول ہے۔ باقی قراء نے ساحران الف کے ساتھ پڑھا ہے اس میں تین اقوال ہیں (۱) مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؛ یہ مشرکین عرب کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری کا قول ہے (۲) حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ہیں؛ یہ یہودیوں کا قول ہے جو انہوں نے ان دونوں کی رسالت کی ابتدا کے موقع پر کیا تھا؛ یہ قول سعید بن جبیر، مجاہد اور ابن زید کا قول ہے۔ تو استدلال ان کے خلاف ہو گا۔ یہ تعبیر اس امر پر دال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَوْلَاۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ مُّصِیْبَةٌ میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے لولا ان تصیبھم مصیبة لما جددنا بعثة الرسل کیونکہ یہودیوں نے نبوتوں کا اعتراف کیا لیکن انہوں نے تحریف کی، تبدیلی کی اور عقاب کے مستحق ہو

گئے اور کہا: ہم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ان کے تمام عذر ختم کر دیئے (۳) مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ آج یہودیوں کا قول ہے؛ قتادہ نے یہی قول کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیا تمام یہودیوں نے اس چیز کا انکار نہیں کیا جو تورات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے اور اس تورات میں ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی۔ اس تورات میں انجیل اور قرآن کا ذکر ہے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر اور دونوں کتابوں کو سحر خیال کیا۔

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَ لَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾

"آپ فرمایئے: تم لے آؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس سے جو زیادہ ہدایت بخش ہو ان دونوں (قرآن و تورات) سے تو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہوئے۔ پس اگر وہ قبول نہ کریں آپ کے اس ارشاد کو تو جان لو کہ وہ صرف اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں اور کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی راہنمائی کے بغیر بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو، اور ہم مسلسل بھیجتے رہے ان کی طرف اپنا کلام تاکہ وہ نصیحت قبول کریں"۔

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم کہو: اے مشرکوں کی جماعتو! جب تم نے ان دونوں کتابوں کا انکار کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے وہ کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو پس اس کی اتباع کروں گا تاکہ تمہارے لیے بھی کفر میں کوئی عذر ہو۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اس میں سچے ہو کہ وہ دونوں جادوگر ہیں یا تم ایسی کتاب لاؤ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔ یہ کوفیوں کی قراءت سحران کو قوت بہم پہنچاتی ہے۔ اتبعه، فراء نے کہا: یہ رفع کے ساتھ ہے کیونکہ کتاب کی صفت ہے اور کتاب نکرہ ہے کہا: جب اسے جزم دی جائے جو اس میں ایک صورت ہے تو وہ شرط کی صورت میں ہوگی۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم اگر وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کتاب نہ لاسکیں فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ تو یہ جان لو کہ وہ اپنے دلوں کی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور جس چیز کو وہ اچھا خیال کرتے ہیں اور شیطان جس چیز کو ان کے لیے محبوب بنا کر پیش کرتا ہے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ کوئی اس سے بڑھ کر گمراہ نہیں اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔

وَ لَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ یعنی ایک کے بعد دوسرا قول بھیجا اور ایک رسول کے بعد دوسرا رسول مبعوث کیا۔ حضرت حسن

بصری نے پڑھا: وَصَلنا یہ مخفف ہے۔ ابوعبیدہ اور اخفش نے کہا: وصلنا کا معنی ہے ہم نے مکمل کیا جس طرح تو کسی چیز کو مکمل کرتا ہے۔ ابن عیینہ اور سدی نے کہا: ہم نے بیان کیا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا۔ مجاہد نے کہا: ہم نے تفصیل بیان کر دی، اس طرح وہ قراءت بھی کرتے تھے۔ ابن زید نے کہا: ہم نے ان کے لیے دنیا کی خبر آخرت کی خبر کے ساتھ ملا دی گویا وہ دنیا میں ہی آخرت میں ہیں۔ اہل معانی نے کہا: اس کا معنی والینا اور تابعنا ہے یعنی ہم نے قرآن کو نازل کیا اس کا بعض بعض کے پیچھے ہیں، کبھی وعدہ، کبھی وعید، کبھی قصے، کبھی عبرتیں، کبھی نصائح اور کبھی مواعظ ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں اور کامیاب ہو جائیں۔ اس کی اصل وصل الحبال بعضھا ببعض ان کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنا۔ شاعر نے کہا:

فقل لبني مروان ما بال ذِمَّةٍ وحبلٍ ضعيف ما يزال يُوَصَّلُ

بنی مروان سے کہو: اس ذمہ اور کمزور رسی کا کیا ہے جس کو جوڑا ہی نہیں جاتا۔

امرؤالقیس نے کہا:

درير كَخُذروف الوليد أمَرَّه تَقَلُّبُ كَفَّيه بخيط مُوَصَّلِ

محل استدلال موصل ہے۔

لَهُمْ میں ضمیر قریش کے لیے ہے؛ یہ مجاہد سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ یہود کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان سب کے لیے ہے۔ یہ آیت ان لوگوں کا رد ہے جس نے یہ کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن اکٹھا کیوں نہ دیا گیا۔

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غور و فکر کریں اور آپ پر ایمان لے آئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ غور و فکر کریں اور اس سے ڈریں کہ ان پر ایسا ہی عذاب نہ نازل ہو جائے جو ان سے قبل لوگوں پر نازل ہوا؛ یہ علی بن عیسیٰ نے کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شاید وہ بتوں کی عبادت چھوڑ کر قرآن سے نصیحت حاصل کریں؛ نقاش نے یہ حکایت بیان کی ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾

''جن کو ہم نے عطا فرمائی کتاب (نزول) قرآن سے پہلے وہ اس پر ایمان لائے ہیں اور جب یہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے اس کے ساتھ بے شک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم اس سے پہلے ہی سرِ تسلیم خم کر چکے تھے''۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ یہ خبر دی بنی اسرائیل میں سے جنہیں کتاب دی گئی ان میں سے ایک قوم قرآن کے نازل ہونے سے پہلے قرآن پر ایمان رکھتی تھی۔ جس طرح حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت سلمان اور نصاریٰ کے علماء میں سے جو مسلمان ہوئے وہ بھی اس میں داخل ہیں وہ چالیس لوگ تھے۔ وہ حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ مدینہ طیبہ آئے تھے بتیس آدمی حبشہ سے آئے تھے اور آٹھ آدمی شام سے آئے تھے وہ نصاریٰ کے ائمہ تھے ان میں بحیرا

راہب، ابرہہ، اشرف، عامر، ایمن، ادریس اور نافع تھے۔ ماوردی نے یہی نام ذکر کیے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ اور بعد والی آیت نازل کی ہے اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے: یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت تمیم داری، حضرت جارود عبدی اور حضرت سلمان فارسی کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ اسلام لائے اور ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت رفاعہ قرظی سے مروی ہے: یہ آیت دس آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی، میں ان میں سے ایک ہوں۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت حضرت نجاشی اور ان کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی نجاشی نے بارہ آدمی بھیجے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مجلس میں بیٹھے ابوجہل اور اس کے ساتھی قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے وفد کے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھے تو ابوجہل اور اس کے ساتھی ان کے پیچھے ہو لیے ابوجہل نے انہیں کہا: اللہ تعالیٰ تمہارے جیسے قافلہ کو خائب و خاسر کرے اور تمہارے جیسے وفد کو قباحت میں ڈالے تم تھوڑی دیر بھی نہ ٹھہرے کہ تم نے ان کی تصدیق کر دی ہم نے تم سے بڑھ کر کوئی وفد زیادہ احمق اور زیادہ جاہل نہیں دیکھا انہوں نے ابوجہل کو جواب دیا: سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ہم اپنے نفوس کو ہدایت کے نوازنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ یہ بحث سورۂ مائدہ میں واذا سمعوا ما انزل الی الرسول کے تحت گزر چکی ہے ابو العالیہ نے کہا: یہ ایسی قوم ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائی قبل اس کے کہ آپ کو مبعوث کیا جاتا جب کہ ان میں سے بعض نے آپ کو پایا۔ مِنْ قَبْلِهٖ قرآن سے پہلے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے۔ هُمْ بِهٖ ہا ضمیر سے مراد قرآن ہے یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے یُؤْمِنُوْنَ۔

وَ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ جب ان پر قرآن حکیم پڑھا جاتا ہے وہ کہتے ہیں: اس میں جو کچھ ہے ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ اس کے نزول سے پہلے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے موحد تھے اور ایمان رکھنے والے تھے کہ عنقریب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا جائے گا اور آپ پر قرآن حکیم نازل کیا جائے گا۔

اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ٘ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ٘ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ ۝

”یہ لوگ ہیں جنہیں دیا جائے گا ان کا اجر دو مرتبہ بوجہ اس کے صبر کے اور دور کرتے ہیں نیکی کے ساتھ برائی کو نیز اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اور جب وہ سنتے ہیں کسی بیہودہ بات کو تو منہ پھیر لیتے ہیں اس سے اور کہتے ہیں: ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں تم سلامت رہو ہم جاہلوں (سے الجھنے) کے خواہاں نہیں ہیں“۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر1۔ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تین قسم کے افراد ایسے ہیں جنہیں دوگنا اجر دیا جائے گا (۱) اہل کتاب میں سے آدمی جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا، آپ کی اتباع کی اور آپ کی تصدیق کی۔ اس کے لیے دو اجر ہیں (۲) مملوک غلام جس نے اللہ تعالیٰ کے حق کو اور اپنے آقا کے حق کو ادا کیا اس کے لیے دو اجر ہیں (۳) ایک مرد جس کی ایک لونڈی تھی۔ اس نے اسے غذا دی اور اچھی غذا دی اسے ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا پھر اسے آزاد کیا اور اس سے شادی کی تو اس کے لیے دو اجر ہیں'' (1)۔ شعبی نے خراسان سے کہا: یہ حدیث بغیر کسی شے کے لے لو جب کہ ایک آدمی اس سے کم درجہ کی حدیث کے لیے مدینہ طیبہ تک کا سفر کیا کرتا تھا۔ اسے امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ ہمارے علماء نے کہا: جب ان میں سے ہر ایک دو جہتوں سے دو امور کا مخاطب بنا تو ان میں سے ہر ایک دو اجروں کا مستحق ہوا۔ کتابی اپنے نبی کی جانب سے مخاطب تھا پھر ہمارے نبی کی جانب سے اسے خطاب کیا گیا اس نے اس دعوت کو قبول کیا اور اس کی پیروی کی تو اس کے لیے دو ملتوں کا اجر ہے۔ اس طرح غلام وہ اللہ تعالیٰ کی جہت سے مامور ہے اور اپنے سید کی جانب سے مامور ہے اور لونڈی کا مالک، جب اس نے وہ فرائض ادا کیے جسے اپنی لونڈی کی تربیت کے اور ادب کے حوالے سے خطاب کیا گیا تھا تو اس نے اسے تربیت کے ساتھ زندہ کیا پھر جب اس نے اسے آزاد کیا اور پھر اس سے شادی کی تو آزادی کے احیاء کے ساتھ زندہ کیا پھر اسے اپنے ساتھ لاحق کر لیا تو اس نے وہ امور سرانجام دیے جن کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ تو ہر ایک کے لیے دو اجر ہیں پھر ہر ایک اجر کو کئی گنا کر دیا جائے گا۔ ایک نیکی دس گنا ہے تو اس کے اجروں کو بھی کئی گنا کر دیا جائے گا، اسی وجہ سے کہا گیا: ہر وہ غلام جو اپنے آقا کا حق ادا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق آزاد یعنی مالک کے حق سے زیادہ ہے یہی وہ چیز ہے جسے ابو عمر بن عبد البر اور دوسرے علماء نے پسند کیا ہے۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مملوک غلام جو اپنی اصلاح کرنے والا ہو اس کے لیے دو اجر ہیں'' (2)۔ مجھے اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں ابو ہریرہ کی جان ہے اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد، حج اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کا تصور نہ ہوتا تو میں اس کو پسند کرتا کہ میں مرتا اس حال میں کہ میں مملوک ہوتا۔ سعید بن مسیب نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حج نہ کیا یہاں تک کہ ان کی ماں مرگئی مقصد ماں کی خدمت تھی۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایک مملوک کے لیے کتنا اچھا ہے کہ وہ فوت ہو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اچھی طرح کرتا ہو اور اپنے آقا کی خدمت اچھی طرح کرتا ہو اس غلام کے لیے کتنا اچھا ہے'' (3)۔

مسئلہ نمبر2۔ بِمَا صَبَرُوْا اپنی ملت پر صبر کرنے میں یہ عام ہے پھر اس عمل اور اس اذیت سے جو وہ کفار وغیرہ سے پاتے ہیں پر صبر کرتے ہیں۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 86

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب صحبۃ الممالیک، جلد 2، صفحہ 53

3۔ ایضاً

مسئلہ نمبر 3۔ وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وہ برائی کو نیکی سے دور کرتے ہیں۔ درأت یہ اس وقت بولتے ہیں جب تو دفاع کرے۔ درء کا معنی دور کرنا ہے۔ حدیث میں ہے: ''حدود کو شبہات کے ساتھ دور کرو'' (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ برداشت اور اچھی کلام کے ساتھ اذی کو دور کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ توبہ اور استغفار کے ساتھ گناہوں کو دور کرتے ہیں۔ پہلی تعبیر کی صورت میں یہ مکارم اخلاق کا وصف ہے یعنی جو ان کے ساتھ برائی کرتا ہے تو وہ اس کے ساتھ نرمی کرتے ہیں اور اچھے قول کے ساتھ پیش آتے ہیں اس کے ساتھ وہ برائی کو دور کرتے ہیں یہ آیت صلح ہے یہ ابتداء اسلام میں تھی یہ وہ آیت ہے جسے آیت سیف نے منسوخ کر دیا ہے اور کفر کے سوا کے لیے اس کا حکم باقی ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی امت قیامت تک بجالاتی رہے گی۔ اسی معنی میں حضرت معاذ کے لیے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اتبع السيئة الحسنة تمحها و خالق الناس بخلق حسن (2) برائی کے پیچھے نیکی لاؤ جو اس برائی کو مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے ملو۔ خلق حسن میں سے یہ بھی ہے کہ ناپسندیدہ چیز اور اذیت کو دور کرو ظلم پر اس سے اعراض اور نرم گفتگو کے ساتھ صبر کرو۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی کہ وہ اپنے اموال طاعات اور شرع کے احکام میں خرچ کرتے ہیں۔ اس میں صدقات پر برانگیختہ کیا گیا ہے بعض اوقات روزے اور نماز کی صورت بدنی صدقہ ہوتا ہے پھر لغو سے اعراض کرنے پر ان کی مدح کی، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ (الفرقان) مشرک جو انہیں اذیت دیتے اور گالیاں دیتے اس کو سنتے تو یہ اس سے اعراض کرتے یعنی اس میں مشغول نہ ہوتے۔ وَ قَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۫ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ یہ کلام ایک دوسرے سے لاتعلق ہونے کی بنا پر ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ (الفرقان) یعنی ہمارے لیے ہمارا دین اور تمہارے لیے تمہارا دین ہے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ یعنی تمہیں ہم سے امن ہے ہم جنگ نہیں کرتے اور ہم تمہیں گالیاں نہیں دیتے یہاں سلام کا کوئی ذکر نہیں۔ زجاج نے کہا: یہ قتال کا حکم آنے سے قبل کا معاملہ ہے۔ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ہم انہیں جھگڑے، بات لوٹانے اور باہم گالی دینے کے لیے طلب نہیں کرتے۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝

''بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں البتہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں کو''۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ زجاج نے کہا: مسلمانوں کا اس بارے میں اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ مفسرین کی بڑی تعداد کا اتفاق ہے کہ یہ آیت نبی کریم ﷺ کے چچا ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ امام بخاری اور مسلم کی حدیث ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو سورۃ براءۃ میں گزر چکی ہے۔ ابوروق نے کہا: وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ میں اشارہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ وَ هُوَ اَعْلَمُ

1۔ تاریخ بغداد، جلد 9، صفحہ 303 2۔ الترغيب والترهيب، كتاب التوبة والزهد، جلد 4، صفحہ 109

بِالْمُهْتَدِيْنَ مجاہد نے کہا: جس کے حق میں ہدایت کو مقدر کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَنْ اَحْبَبْتَ کا معنی ہے جس کی ہدایت پانے کو آپ پسند کرتے ہیں۔ جبیر بن مطعم نے کہا: وہ وحی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کی جاتی اس کو کسی نے نہیں سنا صرف حضرت ابوبکر صدیق نے اسے سنا کیونکہ انہوں نے حضرت جبریل امین کو یہ کہتے ہوئے سنا: اے محمد! پڑھو اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ۔

وَ قَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَ كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾

"اور انہوں نے کہا: اگر ہم اتباع کریں ہدایت کا آپ کی معیت میں تو ہمیں اچک لیا جائے گا ہمارے ملک سے، کیا ہم نے بسا نہیں دیا حرم میں جو امن والا ہے کھچے چلے آتے ہیں اس کی طرف ہر قسم کے پھل یہ رزق ہے ہماری طرف سے لیکن ان کی اکثریت کچھ نہیں جانتی۔ اور ہم نے کتنے شہر برباد کر دیے جب وہ فخر کرنے لگے اپنی خوش حالی پر پس یہ ہیں ان کے گھر جن میں سکونت نہیں کی گئی ان کے بعد مگر بہت کم عرصہ اور (آخر کار) ہم ہی ان کے وارث بنے"۔

وَ قَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا یہ مشرکین مکہ کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قریش میں سے یہ بات حرث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف قرشی نے کی: اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہم جانتے ہیں کہ تیرا قول حق ہے لیکن ہمیں یہ خوف کہ عرب ہمیں اپنی سرزمین (مکہ) سے اچک لیں یہ خوف اس سے روکتا ہے کہ ہم تیرے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں اور تجھ پر ایمان لائیں گے، کیونکہ وہ سب ہمارے خلاف مجتمع ہیں اور ہم میں ان کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں یہ ان کی حجت بازیوں میں سے تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی حجت بازیوں کا جواب دیا اور کہا: اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا، آمنا یہاں ذا امن کے معنی میں ہے اس کی وجہ یہ تھی عرب دور جاہلیت میں ایک دوسرے سے غارت گری مچاتے تھے، ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے اور اہل مکہ حرم کی حرمت کی وجہ سے امن میں ہوتے جہاں بھی ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ بیت اللہ کی حرمت کی وجہ سے انہیں امن دیا۔ ان سے ان کے دشمن کو روکا پس انہیں ڈرنا چاہیے کہ عرب ان کے ساتھ جنگ میں ان کی حرمت کو حلال سمجھیں گے۔ تخطف سے مراد تیزی سے اچک لینا ہے، یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تم میرے حرم میں امن میں ہوتے ہو، تم میرا رزق کھاتے ہو اور میرے غیر کی عبادت کرتے ہو۔ کہا: تم اس وقت خوف کھاتے ہو جب تم میری عبادت کرو گے اور مجھ پر ایمان لاؤ گے۔

يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ تمام سرزمین اور تمام ملکوں کے پھل اس کی طرف جمع کیے جاتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: جبی الماء فی الحوض اس نے پانی کو حوض میں جمع کیا۔ جابیہ

سے مراد بڑا حوض ہے۔ نافع اسے تجبی تاء کے ساتھ پڑھتے۔ یہ ثمرات کی وجہ سے ہے باقی قراء نے کل شیء کی وجہ سے یاء کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابوعبید نے اسے پسند کیا ہے۔ کہا: اسم مونث اور فعل کے درمیان فاصلہ حائل ہے نیز ثمرات جمع ہیں، یہ مونث حقیقی نہیں۔

رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا یعنی ہماری جانب سے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے، یعنی وہ استدلال سے غافل ہیں، یعنی وہ ذات جس نے زمانہ گزشتہ میں حالت کفر میں انہیں رزق دیا ہے اور انہیں امن دیا ہے اگر وہ اسلام لائے تب بھی انہیں رزق دے گا اور حالت اسلام میں کفار کو ان سے روکے گا۔ رِزْقًا مفعول لاجلہ کی وجہ سے منصوب ہے مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے نصب دینا جائز ہے کیونکہ تجبی کا معنی ترزق ہے۔ اس کو یجنی پڑھنا بھی جائز ہے یہ جنا سے مشتق ہے یہ الی حرف جار کے ساتھ متعدی ہے جس طرح تیرا قول ہے: یجنی الی فیه، فجنی الی الخافة۔ خافہ سے مراد دانوں کے لیے برتن ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا اس آدمی کے لیے اس امر کو واضح کیا جو یہ گمان کرتا ہے کہ اگر وہ ایمان لایا تو عرب اس سے قتال کریں گے ایمان کے ترک کرنے میں خوف بہت زیادہ ہے کتنی ہی قومیں ہیں جنہوں نے کفر کیا پھر ان پر ہلاکت واقع ہوئی۔ بطر سے مراد نعمت کے بدلے میں سرکشی کرنا ہے؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ مَعِيْشَتَهَا سے مراد فی معیشتها ہے جب فی کو حذف کیا تو فعل متعدی ہو گیا؛ یہ مازنی اور زجاج کا قول ہے، جس طرح اس ارشاد میں حرف جار حذف ہے: وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا (الاعراف: 155) فراء نے کہا: یہ تفسیر کے طور پر منصوب ہے اسی طرح فرمایا: جس طرح تو کہتا ہے أبطرت مالك وبطرته، اس کی مثل اس کے ہاں یہ ہے اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ (البقرہ: 130) اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا (النساء: 4) بصریوں کے نزدیک اسم معرفہ کو نصب دینا محال ہے کیونکہ تفسیر اور تمیز کا مطلب یہ ہے کہ واحد نکرہ ہو جو جنس پر دلالت کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بطرت کی وجہ سے منصوب ہے بطرت کا معنی ہے جہلت جاہل اور ناواقف ہے، معنی ہے وہ بستی اپنی معیشت پر شکر بجالانے سے جاہل ہے۔

فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ان کے اہل کے ہلاک ہونے کے بعد کچھ مسکن ہی آباد ہوئے اکثر برباد ہو گئے۔ استثناء مساکن کی طرف راجع ہے، یعنی بعض میں رہائش رکھی جاتی ہے؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ اس پر اعتراض کیا گیا اور کہا گیا: اگر استثناء مساکن کی طرف لوٹتی تو ارشاد یوں ہوتا: الا قلیل کیونکہ تو کہتا ہے: القوم لم تضرب الا قلیل قلیل کو رفع دیا جاتا ہے کیونکہ مارے جانے والے افراد تھوڑے ہوتے ہیں۔ جب تو نصب دے گا تو قلیل، ضرب کی صفت ہو گی۔ یعنی تھوڑا مارا گیا۔ تو اس وقت معنی ہو گا وہ ایسے مساکن ہیں جن میں مسافر ہی رہائش پذیر ہوتے اور وہ لوگ جو اس راستہ سے گزرے وہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے یعنی ان کے بعد تھوڑی ہی رہائش رکھی گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس طرح کہا، یعنی ان میں مسافر یا راہ گزر وہی ایک دن یا دو دن رہا۔ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ یعنی ان کی ہلاکت کے بعد انہیں ان کا نائب بنایا گیا(1)۔

1۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 113

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتُهَا ۚ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾

''اور نہیں ہے آپ کا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کو یہاں تک کہ بھیجے ان کے مرکزی شہر میں کوئی رسول جو پڑھ کر سنائے وہاں کے رہنے والوں کو ہماری آیتیں اور نہیں ہیں ہم ہلاک کرنے والے بستیوں کو مگر یہ کہ ان کے بسنے والے ظالم ہوں۔ اور جو چیز دی گئی ہے تمہیں تو یہ سامان ہے دنیوی زندگی کا اور اس کی زیب وزینت ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور دیرپا ہے، کیا تم اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ (تم خود سوچو) آیا وہ (نیک بخت) جس کے ساتھ ہم نے وعدہ کیا ہے، بہت اچھا وعدہ اور وہ اس کو پانے والا بھی ہے اس (بدبخت) کی مانند ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کا سامان دیا ہے پھر وہ (اس چند روزہ آزمائش کے بعد) روز قیامت (مجرموں کے کٹہرے میں) پیش کیا جائے گا''۔

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى یعنی ایسی بستیاں جن کے اہل کافر ہیں۔ حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا ہمزہ کے ضمہ اور اس کے کسرہ کے ساتھ اسے پڑھا گیا ہے کسرہ جر کی اتباع میں ہے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ رَسُوْلًا مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيْۤ اُمِّهَا سے مراد ان میں سے سب سے بڑی۔ رَسُوْلًا ایسا رسول جو انہیں خبردار کرے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ان کے اوائل میں (1)۔

میں کہتا ہوں: مکہ مکرمہ اپنی حرمت اور اولیت کی بنا پر سب سے عظیم بستی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ (آل عمران: 96) رسول کی بعثت کے لیے ان بستیوں میں سے بڑی کو خاص کیا گیا ہے کیونکہ رسولوں کو اشراف کی طرف مبعوث کیا جاتا ہے وہ شہروں میں رہتے ہیں یہ اردگرد کی بستیوں کے لیے ام کا درجہ رکھتی ہے۔ سورۂ یوسف کے آخر میں یہ معنی گزر چکا ہے۔

يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا، یتلو صفت کے محل میں ہے یہ تالیا کے معنی میں ہے یعنی وہ رسول انہیں بتاتا ہے کہ عذاب ان پر نازل ہو گا اگر وہ ایمان نہ لائیں۔ وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اضافت کی وجہ سے مھلکی کی نون گر گئی ہے جس طرح ظالمی انفسھم میں نون اضافت کی وجہ سے گر گئی ہے۔ اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ یعنی میں نے انہیں ہلاک نہیں کیا مگر وہ کفر پر اصرار کی وجہ سے ہلاکت کے مستحق ہو گئے تھے کیونکہ ان کے تمام عذر ختم کر دیئے گئے تھے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے عدل اور ظلم سے مبرا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 261

ہونے کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک نہیں کرتا مگر اس وقت جب وہ ظلم کے ساتھ ہلاکت کے مستحق ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان کے ظالم ہونے کے باوجود انہیں ہلاک نہیں کرتا مگر حجت کی تاکید اور رسولوں کی بعثت کے ساتھ اتمام حجت کے بعد ہی ہلاک کرتا ہے۔ ان کے احوال سے آگاہی کو ان کے خلاف حجت و دلیل نہیں بناتا اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ ان کو ہلاک کرے جب کہ وہ ظالم نہ ہوں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۝ (ہود) اس آیت میں ظلم کا لفظ ذکر کیا ہے اس بنا پر کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرتا جب کہ وہ اصلاح کرنے والے ہوتے تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر ظلم ہوتا جب کہ اس کی حالت ظلم کے منافی ہے یہی اس کی حکمت کا تقاضا ہے اس پر حرف نفی اور لام کے ساتھ دلالت کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ (البقرہ:143)

وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ، تم ضمیر سے مراد اہل مکہ ہیں فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا تم اپنی زندگی کے عرصہ میں اس سے لطف اندوز ہوئے ہو یا اپنی زندگی میں ایک عرصہ تک یا تو تم اس سے الگ ہو جاتے ہو یا وہ تم سے زائل ہو جاتی ہے۔ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اللہ تعالیٰ کے ہاں جو کچھ ہے وہ افضل اور دائمی ہے۔ اس سے مراد دار آخرت ہے اور یہ جنت ہے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم اتنی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے کہ باقی رہنے والی چیز فانی سے افضل ہوتی ہے۔ ابو عمرو نے اسے یعقلون یاء کے ساتھ پڑھا ہے (1)۔ باقی قراء نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے یہی پسندیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ ہا ضمیر سے مراد جنت اور اس میں جو ثواب ہے كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اسے وہ عطا کیا جس کا ارادہ کیا۔

ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ آگ میں حاضر ہوگا۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝ (الصافات) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور ابو جہل بن ہشام کے بارے میں نازل ہوئی۔ محمد بن کعب نے کہا: یہ حضرت حمزہ اور حضرت علی اور ابو جہل اور عمارہ اور ولید کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عمار اور ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی؛ یہ سدی کا قول ہے۔ قشیری نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ آیت عموماً مومن اور کافر کے بارے میں نازل ہوئی۔ ثعلبی نے کہا: خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ آیت ہر کافر کے بارے میں نازل ہوئی جس نے دنیا میں عافیت اور غنا سے فائدہ اٹھایا آخرت میں اس کے لیے آگ ہے۔ اور یہ اس مومن کے بارے میں نازل ہوئی جس نے دنیا کی مصیبتوں پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر بھروسہ کیا اور اس کے لیے آخرت میں جنت ہے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝٦٢ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَاۤ اِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوْۤا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ۝٦٣ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 294

فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَ
يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ
يَوْمَىِٕذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ
يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾

''اور اس دن اللہ انہیں آواز دے گا تو فرمائے گا: کہاں ہیں وہ شریک جنہیں تم (میرا شریک) گمان کیا کرتے تھے، کہیں گے وہ لوگ جن پر عذاب کا فرمان ثابت ہو چکا: اے ہمارے رب! یہ ہیں وہ جنہیں ہم نے گمراہ کیا۔ ہم نے انہیں بھی گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے ہم (ان سے) بیزار ہو کر تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور وہ ہماری پوجا نہیں کیا کرتے تھے۔ اور (انہیں) کہا جائے گا: (لو) اب پکارو اپنے شریکوں کو تو وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور دیکھ لیں گے عذاب تو کیا اچھا ہوتا اگر وہ ہدایت یافتہ ہوتے اور اس دن اللہ تعالیٰ آواز دے گا انہیں پھر پوچھے گا: تم نے کیا جواب دیا تھا (ہمارے) رسولوں کو تو اندھی ہو جائیں گی ان پر خبریں اس دن پس وہ (مارے دہشت کے) ایک دوسرے سے کچھ پوچھ نہ سکیں گے۔ تو وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے یقیناً وہ کامیاب وکامران لوگوں میں ہوگا''۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کو ندا کرے گا۔ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ میرے شریک کہاں ہیں جنہیں تم گمان کرتے تھے کہ وہ تمہاری مدد کریں گے اور تمہاری سفارش کریں گے؟

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ ان پر عذاب کا حکم ثابت ہو چکا وہ سردار ہیں، یہ کلبی کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد شیاطین ہیں رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ہم نے انہیں گمراہی کی طرف دعوت دی انہیں کہا جائے گا: کیا تم نے ان کو گمراہ کیا؟ انہوں نے کہا: اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا وہ مراد لیتے ہیں ہم نے انہیں گمراہ کیا جس طرح ہم گمراہ تھے۔ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ہم میں سے بعض نے بعض سے براءت کا اظہار کیا۔ شیاطین ان سے براءت کا اظہار کر دیتے ہیں جو ان کی اطاعت کرتے ہیں اور سرداران سے براءت کا اظہار کر دیتے ہیں جنہوں نے ان سے اس امر کو قبول کیا تھا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَىِٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ (الزخرف)

وَقِيْلَ کفار سے کہا جائے گا ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ دنیا میں جن کی تم عبادت کرتے رہے ان سے مدد طلب کرو تا کہ وہ تمہاری مدد کریں اور تم سے عذاب کو دور کر دیں۔ فَدَعَوْهُمْ انہوں نے معبودان باطلہ سے مدد طلب کی۔ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ بتوں نے انہیں کوئی جواب نہ دیا اور انہوں نے بتوں سے کوئی نفع نہ اٹھایا۔ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ۔ زجاج نے کہا: لو کا جواب محذوف ہے معنی ہے اگر وہ ہدایت پاتے تو ہدایت انہیں نجات عطا کرتی اور عذاب کی طرف نہ لوٹتے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ ہدایت حاصل کرتے تو انہیں نہ بلاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جب

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 114

انہوں نے عذاب کو دیکھا تو انہوں نے پسند کیا کاش وہ دنیا میں ہدایت پاتے یہ اس وقت کہیں گے جب وہ قیامت کے روز عذاب دیکھیں گے۔

مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِیْنَ اللہ تعالیٰ انہیں ارشاد فرمائے گا: تم نے ان انبیاء کو کیا جواب دیا تھا جن کو تمہاری طرف مبعوث کیا گیا جب انہوں نے تمہیں پیغام پہنچایا فَعَمِیَتْ عَلَیْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ یَوْمَىِٕذٍ ان پر دلائل مخفی ہو گئے؛ یہ مجاہد کا قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان پر حجت تمام کر دی تھی قیامت کے روز ان کے لیے کوئی عذر اور حجت نہیں ہوگی (1)۔ الْاَنْۢبَآءُ کا معنی اخبار ہے۔ ان کی حجتوں کو انباء کا نام دیا کیونکہ وہ خبریں ہیں جو وہ دیتے۔ فَهُمْ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ وہ ایک دوسرے سے دلائل کے بارے میں نہیں پوچھیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلائل کو باطل کر دیا، یہ ضحاک کا قول ہے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: لا یتساءلون وہ دلیل کے بارے میں ایک دوسرے سے بات نہیں کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس لمحہ ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے۔ وہ اس ساعت کی ہولناکی کی وجہ سے نہ جانیں گے کہ کیا جواب دیں۔ پھر وہ جواب دیں گے جس طرح ان کے قول کی خبر دی: واللہ ربنا ما کنا مشرکین۔ مجاہد نے کہا: وہ انساب کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے کہ اس کے گناہوں میں سے کس چیز کو اٹھائے؟ ابن عربی نے اس کی حکایت بیان کی ہے۔

فَاَمَّا مَنْ تَابَ جس نے شرک سے توبہ کی وَ اٰمَنَ جس نے تصدیق کی وَ عَمِلَ صَالِحًا فرائض کو ادا کیا اور نوافل کثرت سے ادا کیے فَعَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ وہ سعادت کو پانے والے ہوں گے۔ جب فعل عسیٰ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو اس سے مراد وجوب ہوگا۔

وَ رَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ یَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۞ وَ رَبُّكَ یَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ۞ وَ هُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ ٘ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۞

"اور آپ کا رب پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے (جسے چاہتا ہے) نہیں ہے انہیں کچھ اختیار، اللہ تعالیٰ پاک ہے اور برتر ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو چھپائے ہوتے ہیں ان کے سینے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور وہی اللہ ہے نہیں کوئی معبود بجز اس کے، اسی کو زیبا ہے ہر قسم کی تعریف دنیا میں اور آخرت میں اور اس کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے"۔

وَ رَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ یَخْتَارُ یہ ان شرکاء کے ذکر کے ساتھ متصل ہے جن کی انہوں نے عبادت کی اور انہوں نے شفاعت کے لیے انہیں اختیار کیا۔ شفعاء میں اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے مشرکین کا اس میں کوئی اختیار نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ولید بن مغیرہ کا جواب ہے جب اس نے کہا: لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ۞ (الزخرف: 31)

1۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 115
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 262

یعنی اس نے اپنے آپ کو اور طائف سے عروہ بن مسعود ثقفی کو عظیم خیال کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ یہودیوں کا جواب ہے جب انہوں نے کہا: اگر جبریل امین کے علاوہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام لانے والا ہوتا تو ہم اس پر ایمان لے آتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تیرا رب مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے طاعت کے لیے چن لیتا ہے۔ یحیی بن سلام نے کہا: معنی ہے تیرا رب مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے نبوت کے لیے چاہتا ہے پسند کر لیتا ہے۔ نقاش نے بیان کیا ہے: معنی ہے اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرماتا ہے اور اپنے دین کے مددگار پسند کر لیتا ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: کتاب البزار میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح اور مرفوع روایت ہے: ''اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور مرسلین کے علاوہ میرے صحابہ کو عالمین پر چن لیا ہے اور میرے صحابہ میں سے میرے لیے چار صحابہ کو چن لیا ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر و فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم (2)۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں میرے صحابہ بنایا ہے اور میرے تمام صحابہ میں خیر ہے، میری امت کو تمام امتوں پر چن لیا ہے اور میری امت میں سے چار قرون کو میرے لیے چن لیا ہے''۔ سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے وہ وہب بن منبہ سے وہ اپنے باپ سے اس آیت وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ چوپاؤں میں سے بکری، پرندوں میں سے کبوتر، وَ يَخْتَارُ پر وقف تام ہے۔ علی بن سلیمان نے کہا: یہ وقف تام ہے یہ جائز نہیں کہ مایختار کی وجہ سے محل نصب میں ہو کیونکہ اگر یہ محل نصب میں ہوتا تو فعل اس سے پہلے نہ ہوتا۔ کہا: اس میں قدریہ کا رد ہے۔ نحاس نے کہا: کلام وَ يَخْتَارُ پر مکمل ہو جاتی ہے یعنی وہ رسولوں کو چن لیتا ہے۔ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ جن کو وہ پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بھیجتا۔ ابو اسحاق نے کہا: وَ يَخْتَارُ یہ وقف تام ہے اور پسندیدہ ہے یہ بھی جائز ہے کہ ما، یختار کی وجہ سے منصوب ہو معنی ہے وہ اسے چنتا ہے جس میں ان کا اختیار ہوتا ہے۔ قشیری نے کہا: صحیح پہلا قول ہے کیونکہ ان سب کا وَ يَخْتَارُ کے وقف پر اتفاق ہے۔ مہدوی نے کہا: یہ اہل سنت کے مذہب کے زیادہ مناسب ہے۔ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ میں ما تمام اشیاء کے لیے نفی عام ہے کہ اس میں بندے کے لیے کوئی چیز ہو سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اسے حاصل کرے۔ زمخشری نے کہا: مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ یہ یختار کا بیان ہے کیونکہ اس کا معنی ہے جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے اسی وجہ سے حرف عطف ذکر نہیں کیا۔ معنی ہے افعال میں اختیار اسی کا ہے اور وہ ان میں حکمت کی وجوہ کو خوب جانتا ہے یعنی مخلوق میں سے کوئی ایسا نہیں جو اس پر اختیار رکھتا ہو۔ زجاج اور دوسرے علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے کہ ما، یختار کی وجہ سے منصوب ہو (3)۔ طبری نے اس کا انکار کیا ہے کہ ما نافیہ ہو، تاکہ یہ معنی نہ ہو کہ زمانہ گزشتہ میں ان کا کوئی اختیار نہیں تھا اور زمانہ مستقبل میں ان کے لیے اختیار ہوگا، کیونکہ نفی کی صورت میں کلام پہلے نہیں گزری (4)۔ مہدوی نے کہا: یہ لازم نہیں آتا کیونکہ ما حال اور استقبال کی نفی کرتا ہے جس طرح لیس اسی وجہ سے ما، لیس کا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 262
2۔ کنز العمال، جلد 11، صفحہ 635، حدیث نمبر 33094
3۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 115
4۔ تفسیر طبری، جلد 207، صفحہ 116

سا عمل کرتا ہے اور کیونکہ آیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح نازل ہوتیں جس قسم کے سوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے جاتے اور جیسے اعمال پر وہ مصر ہوتے اگرچہ یہ چیز نص میں نہیں ہے، طبری کے نزدیک آیت کی تقدیر یہ ہے ویختار لولایته الخیرة من خلقه کیونکہ مشرکین اپنے بہترین اقوال چنتے اور انہیں اپنے معبودوں کے لیے مختص کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ یعنی اپنی مخلوق میں سے جسے ہدایت کے لیے چنتا ہے جس کے متعلق اس کے علم میں پہلے سے سعادت موجود ہوتی ہے جس طرح مشرک اپنے اموال میں سے بہترین اموال اپنے معبودوں کے لیے مختص کرتے ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر ماذوی العقول کے لیے ہوگا اور یہ الذی کے معنی میں ہوگا۔ الْخِيَرَةُ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ لَهُمْ اس کی خبر ہے اور جملہ کان کی خبر ہے۔ اس کے مشابہ تیرا قول ہے: کان زید ابوه منطلق اس میں ضعف ہے کیونکہ کلام میں ایسی ضمیر نہیں ہے جو کان کے اسم کی طرف لوٹے مگر اس صورت میں کہ حذف کو مقدر کیا جائے تو یہ دوری کی وجہ سے جائز ہوگا۔ طبری نے جو کہا ہے اس کا معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ ثعلبی نے کہا: ما نافیہ ہے یعنی انہیں اللہ تعالیٰ پر کوئی اختیار نہیں (1)۔ یہ زیادہ صحیح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (الاحزاب: 36) محمود وراق نے کہا:

توکّل علی الرحمن لی کل حاجةٍ ... أردتَ فإنّ الله یقضی ویقدِر
إذا مایرِدْ ذوالعَرش أمرا بعبده ... یصبْه وما للعبد ما یتخیر
وقد یهلك الإنسانُ من وجهِ حِذْره ... وینجو بحمد الله من حیث(2) یحذر

جس امر کا بھی تو ارادہ کرے اللہ تعالیٰ پر توکل کر بے شک اللہ تعالیٰ ہی قضا و قدر کا مالک ہے۔ جب عزت والا اپنے بندے کے متعلق کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے وہ پہنچا دیتا ہے بندے کا کوئی اختیار نہیں۔ بعض اوقات انسان احتیاط کی وجہ سے ہلاک ہو جاتا ہے اور جو احتیاط نہیں کرتا بحمد للہ وہ نجات پا جاتا ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

العبدُ ذوضَجَرٍ والربُّ ذو قَدَرٍ ... والدَّهرُ ذو دُوَلٍ والرِّزقُ مقسومُ
والخیرُ أجمعُ فیما اختار خالقُنا ... وفی اختیار سواه اللّومُ الشُّومُ

بندہ پریشان ہونے والا ہے اور رب قدرت والا ہے زمانہ چکر لگانے والا ہے اور رزق تقسیم کیا جا چکا ہے۔ ہمارا خالق جس کو اختیار کرے بھلائی اس میں زیادہ جمع ہے اس کے سوا کے اختیار میں ملامت اور نحوست ہے۔

بعض علماء نے کہا: کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ دنیا کے امور میں سے کسی امر کا ارادہ کرے یہاں تک کہ وہ اس میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا سوال کرے وہ بندہ دو رکعت نماز نفل استخارہ پڑھے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ قُلْ يٰۤاَيُّهَا

1۔ تفسیر ثعلبی، جلد 3، صفحہ 280، دار احیاء التراث العربی

2۔ شاید صحیح من لیس یحذر ہے سیاق اس کی تائید کرتا ہے اور توکل کا مفہوم بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

الْكٰفِرُوْنَ پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھے بعض مشائخ نے یہ پسند کیا کہ وہ پہلی رکعت میں وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ اور دوسری رکعت میں وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (الاحزاب:36) یہ سب حسن ہے۔ پھر سلام کے بعد یہ دعا مانگے۔ وہ وہ دعا ہے جو امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام امور میں ہمیں استخارہ کی تعلیم دیتے تھے۔ جس طرح قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ فرماتے: تم میں سے جب کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو فرضوں کے علاوہ دو رکعت نماز ادا کرے پھر یہ دعا کرے(1)۔

اللھم إنی أستخیرك بعلمك وأستقدرك بقدرتك وأسالك من فضلك العظیم فإنك تقدر ولا أقدر و تعلم ولا أعلم وأنت علام الغیوب اللّٰھم ان کنت تعلم إن ھذا الامر خیرلی فی دینی و معاشی و عاقبة أمری او قال فی عاجل امری وآجله فاقدرہ لی ویسرہ لی ثم بارك لی فیه اللّٰھم ان کنت تعلم إن ھذا الأمر شرلی فی دینی و دنیای و معاشی و عاقبة امری او قال فی عاجل امری وآجله۔ فأصرفه عنی وأصرفنی عنه وأقدر لی الخیر حیث کان ثم رضنی به

''اے اللہ! میں تیرے علم سے خیر کا طالب ہوں، میں تیری قدرت سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تیرے عظیم فضل کا سوال کرتا ہوں تو قادر ہے، میں قادر نہیں، تو جانتا ہے، میں نہیں جانتا، تو علام الغیوب ہے اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ امر میرے دین، میری معاش اور میرے امر کے انجام کے اعتبار سے بہتر ہے یا فرمایا: میرے امر کے جلدی واقع ہونے یا دیر سے واقع ہونے میں میرے لیے بہتر ہے تو اسے میرے حق میں مقدر فرما دے اور اسے میرے لیے آسان کر دے پھر میرے لیے اس میں برکت رکھ دے اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ امر میرے لیے میرے دین، میری دنیا، میری معاش اور میرے امر کے انجام کے اعتبار سے برا ہے یا فرمایا: میرے امر کے جلد وقوع پذیر ہونے یا دیر سے واقع ہونے کے اعتبار سے (برا ہے) تو اسے مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس سے دور کر دے جہاں کہیں بھلائی ہے اسے میرے حق میں مقدر کر دے پھر مجھ سے راضی ہو جا''۔

پھر وہ اپنے کام اور حاجت کا ذکر کرے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی امر کا ارادہ فرماتے تو فرماتے میرے لیے خیر کو پسند فرما اور میرے لیے اسے چن لے حضرت انس نے روایت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس جب کسی امر کا ارادہ کرے تو اس کے متعلق سات دفعہ اپنے رب سے خیر کا طالب ہو پھر دیکھ تیرا دل کس طرف مائل ہے کیونکہ خیر اس میں ہے۔

علماء نے کہا: اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ اس کا دل تمام قسم کے وساوس سے فارغ ہو یہاں تک کہ وہ کسی امر کی طرف

1۔ صحیح بخاری، باب الدعاء والاستخارۃ، جلد 2، صفحہ 944

مائل نہ ہو تو اس وقت اس کا دل جس کی طرف سبقت لے جائے اس پر عمل کرے، کیونکہ بھلائی اسی میں ہے ان شاء اللہ۔ اگر وہ سفر کا قصد کرے تو اپنے سفر کے لیے جمعرات یا پیر کا انتخاب کرے اس میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کا ارادہ کر رہا ہو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے قول حق کے ساتھ پاکی بیان کی۔ فرمایا: سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى وہ پاک ہے مقدس ہے وہ بزرگ و برتر ہے۔ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ وَ رَبُّكَ یَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ ابن محیصن اور حمید نے تکن تاء کے فتحہ اور کاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے(1)۔ سورۂ نمل میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدح بیان کی وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ وَ هُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ وہ وحدانیت میں منفرد ہے تمام محامد اس کے لیے ثابت ہیں حکم اس کا ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِضِیَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِلَیْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِیْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

"آپ فرمایئے: بھلا اتنا تو سوچو اگر بنا دے اللہ تعالیٰ تم پر رات ہمیشہ کے لیے قیامت کے دن تک تو کون سا خدا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جو لا دے تمہیں روشنی۔ کیا تم سن نہیں رہے۔ فرمایئے: بھلا اتنا تو سوچو اگر بنا دے اللہ تعالیٰ تم پر دن ہمیشہ کے لیے اور قیامت تک تو کون سا خدا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جو لا دے تمہیں رات جس میں تم آرام کر سکو کیا تمہیں (کچھ) نظر نہیں آتا۔ اور محض اپنی رحمت سے اس نے بنا دیا تمہارے لیے رات اور دن کو تاکہ تم آرام کرو رات میں اور تلاش کرو (دن میں) اس کے فضل (رزق) سے اور تاکہ شکر گزار بنو"۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا سرمد سے مراد دائمی ہے، اسی معنی میں طرفہ کا قول ہے:

لعمرك ما أمري علی بغُمّة نهاري ولا ليلي علی بسرمد

تیری زندگی کی قسم! میرا معاملہ مجھ پر چھپا ہوا نہیں میرا دن اور میری رات مجھ پر ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے معیشت کے اسباب کو مسخر کر دیا تاکہ وہ اس کی نعمتوں کا شکر بجا لائیں۔ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِضِیَآءٍ کون نور لائے گا جس میں تم اپنی روزی تلاش کرو گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کون دن لائے گا جس میں تم اپنے رزق کے اسباب کو دیکھ سکو گے اور اس میں پھل اور نباتات درست ہوں گے۔ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ کیا تم فہم اور قبول والا سننا نہیں سنتے۔ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِلَیْلٍ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 296

تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ جس رات میں تم تھکاوٹ سے آرام پاتے ہو۔

اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ غیر کی عبادت سے تم غلطی میں ہو جب تم نے اقرار کرلیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا دن اور رات کے لانے پر کوئی قادر نہیں تو پھر تم اس کے ساتھ کیوں شرک کرتے ہو؟

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ فیہ میں ضمیر رات اور دن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر ان کے لیے ہے جو رات اور دن ہے۔ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ دن میں تم اس کا رزق طلب کرو۔ یہاں فیہ کو حذف کردیا گیا ہے۔ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

''اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں آواز دے کر فرمائے گا: کہاں ہیں وہ جنہیں تم میرا شریک خیال کرتے تھے اور ہم نکالیں گے ہر امت سے گواہ پھر (ان امتوں کو) ہم کہیں گے: لے آؤ اپنی دلیل تو وہ جان لیں گے کہ بے شک حق اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور گم ہو جائیں گے ان سے جو افتراء وہ باندھا کرتے تھے''۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ حالوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ضمیر کا اعادہ کیا۔ وہ ایک دفعہ ندا کرتے ہیں تو انہیں کہا جاتا تھا: اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ وہ بتوں کو بلائیں گے تو وہ انہیں جواب نہ دیں گے تو ان کی حیرت ظاہر ہوگی۔ پھر وہ دوبارہ ندا کریں گے اور خاموش ہو جائیں گے۔ یہ توبیخ اور رسوائی کی زیادتی ہے۔ یہ ندا اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہ ہوگی؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کفار سے کلام نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (البقرہ: 174) لیکن اللہ تعالیٰ انہیں ایسے امور کا حکم دے گا جو ان کو شرمندہ کردے گا اور لاجواب کرے گا۔ اور مقام حساب میں ان پر حجت تمام کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ احتمال ہے کہ ندا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یہ اس وقت ہوگا جب انہیں کہا جائے گا: اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝ (المومنون) اللہ تعالیٰ نے شرکائی کا لفظ ذکر کیا ہے کیونکہ وہ بتوں کے لیے اپنے اموال میں سے حصہ مختص کیا کرتے تھے۔

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا شہید سے مراد نبی ہے؛ یہ مجاہد سے مروی ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آخرت کے عادل ہیں جو بندوں پر گواہی دیں گے کہ وہ دنیا میں یہ عمل کرتے رہے۔ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ (النساء) ہر امت کا شہید اس کا وہ رسول ہے جو اس امت پر گواہی دے گا۔ شہید سے مراد حاضر ہے یعنی ہم نے ان کے اس رسول کو حاضر کیا جو رسول ان کی طرف بھیجا گیا تھا۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 297

فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ برہان سے مراد حجت ہے۔ فَعَلِمُوْۤا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ انہیں علم ہو گیا کہ انبیاء جو لائے ہیں وہ سچ ہے۔ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ ان سے چلا گیا اور باطل ہو گیا مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ جو وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتے رہے کہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے جس کی عبادت کی جاتی ہے۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ وَ ابْتَغِ فِيْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

”بے شک قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم میں سے تھا پھر اس نے سرکشی کی ان پر اور ہم نے دے دیئے تھے اسے اتنے خزانے کہ ان کی چابیاں (اپنے بوجھ سے) جھکا دیتی تھیں ایک طاقت ور جتھہ (کی کمروں) کو جب کہا اسے اس کی قوم نے: زیادہ خوش نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا اترانے والوں کو، طلب کر (اس مال و زر) سے جو دیا ہے تجھے اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر اور نہ فراموش کر اپنے حصہ کو دنیا سے اور احسان کیا کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے اور نہ خواہش کر فتنہ و فساد کی ملک میں یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا فساد برپا کرنے والوں کو“۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الشوریٰ: 36) تو اس امر کو واضح کیا کہ قارون کو مال عطا کیا گیا، اس نے اس کے ساتھ دھوکہ کھایا اور مال و دولت قارون کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ نہیں رکھے گا جس طرح فرعون کو معصوم نہیں رکھے گا۔ اے مشرکو! تم تعداد اور مال میں قارون اور فرعون سے تعداد میں زیادہ نہیں ہو گے۔ فرعون کو اس کے لشکروں اور اموال نے کوئی فائدہ نہ دیا اور قارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رشتہ داری اور مال نے کوئی نفع نہ دیا۔ نخعی، قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا یہ قارون بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب موسیٰ بن عمران بن قاہث ہے (1)۔ ابن اسحاق نے کہا: وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ماں، باپ دونوں کی طرف سے چچا تھا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ان کا خالہ زاد تھا۔ یہ عجمہ اور معرفہ ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے جو فاعول کے وزن پر عجمی ہو اس میں الف، لام اچھا نہیں ہوتا وہ معرفہ ہو تو منصرف نہیں ہوتا اور نکرہ میں منصرف ہوتا ہے۔ اگر اس میں الف لام اچھا ہو تو وہ منصرف ہوگا اگر یہ مذکر کا اسم ہو جس طرح طاؤس اور راقود ہے۔ زجاج نے کہا: اگر قارون قرنت الشیء سے ماخوذ ہو تو یہ منصرف ہوگا۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 264 2۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 117

فَبَغٰی عَلَیۡہِمۡ اس کی بغاوت یہ تھی کہ اس نے اپنے کپڑے کی لمبائی ایک بالشت زیادہ رکھی ہوئی تھی؛ یہ شہر بن حوشب کا قول ہے حدیث طیبہ میں ہے: لا ینظر اللہ إلی من جرازارہ بطرا(1) جس آدمی نے تکبر کرتے ہوئے اپنے تہبند کو گھسیٹا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کی سرکشی سے مراد یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی بغی سے مراد اپنے مال اور اولاد کی زیادتی کی وجہ سے لوگوں کو حقیر جاننا، یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی بغی سے مراد اللہ تعالیٰ نے اسے جو خزانے دیے اس نے انہیں اپنی طرف منسوب کیا کہ اس نے یہ اموال اپنے علم اور حیلہ سے حاصل کیے ہیں؛ یہ ابن بحر کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بغی سے مراد اس کا یہ قول ہے جب نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے اور مذبح و قربان ہارون کو حاصل ہے تو میرے لیے کیا ہے؟ یہ روایت بیان کی جاتی ہے: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں لے کر سمندر سے گزرے اور رسالت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہوئی اور امامت حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے ہوئی جو قربانی پیش کرتا ہے اور ان میں سردار ہوتا قربانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنے بھائی کے لیے مختص کر دیا۔ قارون نے دل میں ناراضگی پائی اور ان دونوں سے حسد کیا۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: امر تم دونوں کے لیے ہے میرے لیے کچھ بھی نہیں میں کب تک صبر کروں گا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں تیری تصدیق نہیں کروں گا یہاں تک کہ تو معجزہ لے آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک اپنا عصا لائے آپ نے ان سب کا گھٹا بنایا اور انہیں اس قبہ میں ڈال دیا جس قبہ میں آپ پر وحی نازل ہوتی تھی وہ رات کو اپنے عصا کی حفاظت کرتے رہے انہوں نے صبح کی تو حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا ہل رہا تھا اور اس کے سبز پتے بھی تھے۔ وہ اخروٹ کے درخت کا تھا۔ قارون نے کہا: جو کچھ تو کرتا ہے وہ جادو سے زیادہ تعجب کا باعث نہیں۔ تو اس نے یہ کہہ کر ان پر ظلم کیا۔

یحییٰ بن سلام اور ابن مسیب نے کہا: قارون مال دار آدمی تھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے بنی اسرائیل پر عامل تھا اس نے ان پر تعدی کی اور ان پر ظلم کیا وہ ان میں سے ایک تھا۔

ساتواں قول یہ ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے زانی کو رجم کرنے کا حکم دیا تو قارون نے ایک بدکار عورت کا قصد کیا اور اسے مال دیا اور اسے برانگیختہ کیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دعویٰ کرے کہ حضرت موسیٰ نے اس کے ساتھ بدکاری کی ہے اور اسے حاملہ کر دیا ہے۔ یہ امر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گراں گزرا آپ نے اس عورت سے اس اللہ کی قسم اٹھوائی جس نے بنی اسرائیل کے لیے سمندر پھاڑا اور جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی کہ تو سچ بولے، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا اس نے کہا: پس گواہی دیتی ہوں کہ تو بری ہے اور قارون نے مجھے مال دیا اور مجھے برانگیختہ کیا کہ میں وہ کہوں جو میں نے کہا، آپ سچے ہیں اور قارون جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قارون کا معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کر دیا اور زمین کو حکم دیا کہ تو اس کی اطاعت کر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے جب کہ وہ زمین کو کہہ

1۔ صحیح بخاری، باب من جر ثوبہ، جلد 2، صفحہ 861

رہے تھے: اے زمین! اس کو پکڑ لے اے زمین! تو اس کو پکڑ لے، زمین اسے آہستہ آہستہ پکڑتی رہی جب کہ وہ مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ اے موسیٰ! یہاں تک کہ وہ خود، اس کا گھر اور اس کے ساتھی جو اس کے مذہب پر تھے وہ زمین میں دھنس گئے۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی: میرے بندوں نے تجھے مدد کے لیے پکارا تو نے ان پر رحم نہیں کیا اگر وہ مجھے بلاتے تو مجھے اپنے قریب پاتے اور دعا قبول کرنے والا پاتے۔ ابن جریج نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ہر روز وہ انسان کی قامت کے برابر زمین میں دھنستا رہے گا۔ وہ قیامت تک زمین کی پست ترین سطح تک نہیں پہنچیں گے۔

ابن ابی الدنیا نے کتاب الفرج میں ذکر کیا ہے: ابراہیم بن راشد، داؤد بن مہران سے وہ ولید بن مسلم سے وہ مروان بن جناح سے وہ یونس بن میسرہ بن حلبس سے روایت نقل کرتے ہیں کہ قارون حضرت یونس علیہ السلام سے سمندر کی تاریکیوں میں ملا تو قارون نے حضرت یونس علیہ السلام کو ندا کی اس نے کہا: اے یونس! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کر تو پہلے قدم پر ہی اسے پائے گا کہ وہ تیری طرف رجوع فرمائے گا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اسے فرمایا: تجھے توبہ سے کس چیز نے روکا؟ اس نے کہا: میری توبہ میرے چچازاد بھائی کے سپرد کر دی گئی تو اس نے مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حدیث میں ہے: قارون جب ساتویں زمین کی قرارگاہ تک پہنچے گا تو حضرت اسرائیل صور میں پھونک دیں گے؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

سدی نے کہا: اس بدکار عورت کا نام سبرتا ہے، قارون نے اسے دو ہزار درہم دیئے تھے (1)۔ قتادہ نے کہا: قارون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سمندر طے کیا اس کے حسن صورت کی وجہ سے تورات میں اسے منور نام دیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ کے دشمن نے منافقت کی جس طرح سامری نے منافقت کی۔

وَ اٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ عطا نے کہا: قارون نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بہت سے خزانے پائے (2)۔ ولید بن مروان نے کہا: وہ کیمیاگری کا کام کرتا تھا (3)۔ **مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ**، اِنّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر ما کا صلہ ہے اور ما، آتینا کا صلہ ہے۔ نحاس نے کہا: میں نے علی بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا: کوئی صلہ کے بارے میں جو کہتے ہیں وہ کتنی ہی قبیح بات ہے الذی اور اس کے اخوات کا صلہ اِنّ اور اِنّ کے معمول کو بنانا جائز نہیں قرآن حکیم میں **مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ** اس میں مفاتح، مفتح کی جمع ہے۔ مفتح اسے کہتے ہیں جس کے ساتھ تالے کو کھولا جاتا ہے جس نے مفتاح کہا اس نے مفاتیح کہا ہے جس نے کہا: یہ خزانے ہیں تو اس کا واحد مفتح ہے جو میم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ **لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ** اس بارے میں جتنے بھی اقوال کیے گئے ہیں ان میں سے سب سے بہترین معنی یہ ہے کہ اپنے بوجھ کی وجہ سے ان کو جھکا دے جب با مفتوحہ ہوگی تو با داخل ہوگی، جس طرح انہوں نے کہا: ھو یذھب بالبوس و یذھب البوس تو وہ **لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ** ہوگا (4) یعنی مشقت سے اٹھی، جس طرح تیرا قول ہے: قم بنا یعنی ہمیں یوں بنا دو کہ ہم اٹھیں۔ یوں باب ذکر کیا جاتا ہے ناءَ ینُوءُ نوءًا جب وہ مشکل سے اٹھے۔ شاعر نے کہا:

تنوء بأخراها فلأيا قيامها وتمشي الهوينى عن قريب فتبهر

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 265 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 266

وہ اپنی سرین کو اٹھاتی ہے تو اس کا قیام دیر سے ہوتا ہے وہ نرمی سے قریب جگہ تک چلتی ہے اور ہانپنے لگتی ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

أخذتُ فلم أملك و نُؤتُ فلم أقُمْ كأنّي من طول الزمان مقيّدُ

میں کوئی چیز پکڑتا ہوں تو اس پر قبضہ نہیں کر سکتا میں اٹھنے کی کوشش کرتا ہوں تو میں اٹھ نہیں پاتا گویا میں طویل عرصہ سے مقید ہوں۔

اناءنی جب اس نے مجھے بوجھل کر دیا، یہ ابوزید سے مروی ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کا قول لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اس میں قلب کا قاعدہ جاری ہورہا ہے۔ لتنؤ بها العصبة یعنی اس کے ساتھ اٹھتا ہے۔ ابوزید نے کہا: نسئوت بالحمل جب میں بوجھ کے ساتھ اٹھا۔ شاعر نے کہا:

إذا وجدنا خَلَفًا بئس الخَلَف عبدًا إذا ما ناء بالحِمل وقف

جب ہم نے خلف پایا تو وہ غلام کتنا برا خلف تھا جب اس نے بوجھ اٹھایا تو چلنے سے رک گیا۔

پہلی تعبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو صالح اور سدی کے قول کا معنی ہے: یہ فراء کا قول ہے۔ نحاس نے اسے پسند کیا ہے جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: ذهبت به، أذهبته جئت به واجأته۔ نؤت به وأنأته۔ مجرور حرف جار باء کے ساتھ اور باب افعال سے فعل کا معنی ایک ہی ہے جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے: له عندي ما ساءه وناءه تو یہ اتباع کے قاعدہ سے ہے ضروری یہ تھا کہ وہ کہتا: اناءه اس کی مثل هنانی الطعام و مرأنی ہے میرے لیے کھانا مبارک ہوا۔ وأخذه ما قدم و ماحدث پرانا اور نیا اس نے لے لیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ نأی بمعنی بعد سے ماخوذ ہے۔ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

ينأون عنا وماتنأى مودّتهم فالقلبُ فيهم رهينٌ حيثما كانوا

وہ ہم سے دور ہوتے ہیں اور ان کی محبت دور نہیں ہوتی وہ جہاں کہیں بھی ہوں گے دل ان کے قبضہ میں ہے۔

بدیل بن میسرہ نے لینوء یاء کے ساتھ پڑھا ہے اس وقت اس کا فاعل الواحد یا المذکور ہوگا معنی پر اسے محمول کیا۔ ابو عبیدہ نے کہا: میں نے رؤبہ بن عجاج سے اس کے اس شعر کے بارے میں کہا:

فيها خطوطٌ من سوادٍ و بَلَقْ كأنّه في الجِلدِ تَوْليعُ البَهَقْ

اس میں سیاہ اور سفید لکیریں ہیں گویا جلد میں برص کے مرض کو پھیلا دیا گیا ہے۔

اگر تو نے خطوط کا ارادہ کیا ہے تو تجھے کہنا چاہیے: کانها اگر تو نے سواد اور بلق کا ارادہ کیا ہے تو تو کہہ: کانهما اس نے کہا: میں نے سب کا ارادہ کیا ہے۔ عصبہ کے معنی میں اختلاف ہے جس سے مراد ایسی جماعت ہے جو ایک دوسرے کے لیے عصبیت کا اظہار کرتی ہے اس کے بارے میں گیارہ قول ہیں: (۱) تین آدمی: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، ان سے یہ قول بھی مروی ہے کہ اس سے مراد تین سے لے کر دس تک کے افراد ہیں (1)۔ مجاہد نے کہا: یہاں عصبہ سے مراد پندرہ سے بیس تک

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 117

کے افراد ہیں (1)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: دس سے لے کر پندرہ تک کے افراد ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: پانچ سے لے کر دس تک کے افراد ہیں۔ پہلا شعبی، دوسرا قول قشیری اور ماوردی کا اور تیسرا قول مہدوی کا ہے۔ ابو صالح، حکم بن عتیبہ، قتادہ اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد چالیس افراد ہیں (2)۔ سدی نے کہا: دس سے لے کر چالیس تک کے افراد ہیں؛ یہ قتادہ کا بھی قول ہے۔ عکرمہ نے کہا: کچھ علماء وہ ہیں جو کہتے ہیں چالیس اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو کہتے ہیں ستر: یہ ابو صالح کا قول ہے کہ عصبہ سے مراد ستر افراد ہیں۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ پہلا قول ثعلبی نے اس سے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ساٹھ افراد ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: مراد چھ یا سات افراد ہیں۔ عبدالرحمن بن زید نے کہا: تین سے لے کر نو تک یہی ''نفر'' ہے۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد دس افراد ہیں (3) کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا: **وَنَحْنُ عُصْبَةٌ** (یوسف: 8) یہ مقاتل کا قول ہے۔ خیثمہ نے کہا: میں نے انجیل میں پایا قارون کے خزانوں کی چابیاں ستر پنج کلیاں خچروں کا وزن تھا۔ وہ ان چابیوں کے بوجھ کی وجہ سے جھک جاتی تھیں ان میں سے کوئی چابی ایک انگلی سے بڑی نہیں تھی۔ ہر چابی کے لیے ایک خزانہ تھا اگر وہ خزانہ اہل بصرہ پر تقسیم کیا جاتا تو انہیں کافی ہو جاتا۔ مجاہد نے کہا: وہ چابیاں اونٹ کے چمڑے سے بنائی گئی تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ گائے کے چمڑے کی تھیں تاکہ اس کے لیے ہلکی پھلکی ہوں۔ قشیری نے ذکر کیا: جب وہ سفر پر روانہ ہوتا تو وہ ستر خچروں پر لادی جاتیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ پچاس خچروں پر لادی جاتیں؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کی چابیوں سے مراد اس کے برتن ہیں۔ ابو صالح نے اسی طرح کہا ہے کہ مفاتح سے مراد خزانے ہیں؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ بنی اسرائیل کے مومنوں نے اسے کہا؛ یہ سدی کا قول ہے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: یہاں قوم سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ فراء نے کہا: یہ جمع کا صیغہ ہے مراد واحد ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ** (آل عمران: 173) یہاں الناس سے مراد نعیم بن مسعود ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ **لَا تَفْرَحْ** تو تکبر نہ کر **إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ** اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا؛ یہ مجاہد اور سدی کا قول ہے۔ شاعر نے کہا:

ولستُ بمِفْراحٍ إذا الدهرُ سَرَّني

جب زمانہ مجھے خوش کرے تو میں تکبر کرنے والا نہیں۔

زجاج نے کہا: معنی ہے تو مال پر خوش نہ ہو کیونکہ مال پر خوش ہونے والا اس کا حق ادا نہیں کرتا۔ بشر بن عبداللہ نے کہا: **لَا تَفْرَحْ** کا معنی ہے تو فساد برپا نہ کر۔ شاعر نے کہا:

إذا أنتَ لم تبرح تؤدّي أمانةً　　وتحملُ أخرى أفرحتكَ الودائعُ

جب تو بھی امانت ادا نہیں کرتا اور دوسری امانت لے لیتا ہے تو ودیعتیں تجھے خراب کریں گی۔

ابو عمرو نے کہا: أفرحه الدين کا معنی ہے قرض نے اسے بوجھل کر دیا۔ زجاج نے کہا: الفرحين اور الفارحين دونوں

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 266　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً

برابر ہیں۔ فراء نے دونوں میں فرق کیا ہے۔ کہا: الفرحین کا معنی ہے جو خوشی کی حالت میں ہو۔ الفارحین جو زمانہ مستقبل میں خوش ہوں گے اور گمان کیا اسی کی مثل طمع اور طامع ہے میت اور مائت ہے۔ یہ کلام اس کے خلاف دلالت کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۞ (الزمر) یہاں اللہ تعالیٰ نے مائت نہیں فرمایا۔ مجاہد نے یہ بھی کہا ہے: لَا تَفْرَحْ کا معنی ہے تو بغاوت نہ کر (1)۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ اللہ تعالیٰ بغاوت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ابن بحر نے کہا: اللہ تعالیٰ بخل کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (2)۔

وَ ابْتَغِ فِيْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ اللہ تعالیٰ نے تجھے جو دنیا عطا کی ہے اس میں دار آخرت کو طلب کرے اور دار آخرت سے مراد جنت ہے۔ مومن کا حق یہ ہے کہ دنیا کو ایسے امور میں صرف کرے جو اسے آخرت میں نفع دیں وہ تکبر اور سرکشی میں دنیا کو صرف نہ کرے۔

وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ان میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جمہور علماء کا نقطہ نظر ہے (3): تو اپنی عمر ضائع نہ کر کہ تو اپنی دنیا میں عمل صالح نہ کرے کیونکہ آخرت کے لیے عمل کیا جاتا ہے انسان کا نصیب اس کی عمر اور اس میں اس کا عمل صالح ہے۔ اس تاویل کی صورت میں کلام نصیحت میں شدت ہے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے کہ تو اپنی دنیا میں سے اپنا حصہ ضائع نہ کر جیسے تو حلال سے لطف اندوز ہو اور اس کی طلب کر جب کہ تیری نظر تیری دنیا کی عاقبت کے لیے ہو۔ اس تاویل کی بنا پر کلام میں کچھ نرمی ہے اور اس امر کے حصول کی تگ و دو کرنا ہے جس کی وہ خواہش کرتا ہے یہ ان چیزوں میں سے ہے جس کا استعمال نصیحت کے ساتھ واجب ہے تاکہ سختی کی وجہ سے انسان دور ہی نہ ہو جائے؛ یہ ابن عطیہ کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ دونوں تاویلیں ایسی ہیں جن کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اس قول میں جمع کر دیا ہے: أحرث لدنياك كأنك تعيش أبدا و اعمل لآخرتك كأنك تموت غدا اپنی دنیا کے لیے تگ و دو کرو گویا تو ہمیشہ زندہ رہے گا اور اپنی آخرت کے لیے کوشش کر گویا تو کل ہی مر جائے گا (4)۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: زائد کو آگے بھیج دو اور جو ضرورت پوری کرے اس کو روک لو۔ امام مالک نے کہا: اس سے مراد بغیر اسراف کے کھانا اور پینا ہے (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نصیب سے مراد کفن ہے یہ متصل وعظ ہے، گویا انہوں نے کہا: تو نہ بھول کہ تو اپنا تمام مال چھوڑ جائے گا مگر اپنا حصہ جو کفن ہے۔ اس کی مثل شاعر کا قول ہے:

نَصِيبُكَ مما تجمعُ الدهرَ كلَّه رداء أن تُلْوَى فيهما و حَنُوط

جو تمام زمانہ جمع کرتا ہے اس میں سے تیرا حصہ دو چادریں ہیں جن میں تجھے لپیٹا جاتا ہے اور تیرا حصہ حنوط ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 267 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً
4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 299 5۔ ایضاً

هي القناعة لاتبغي بها بدلا　فيها النعيم وفيها راحة البدن

أنظر لمن ملك الدنيا بأجمعها　هل راح منها بغير القطن والكفن

یہ قناعت ہے جس کے بدلے تو بدل نہیں چاہتا اس میں نعمتیں ہیں اور اس میں بدن کی راحت ہے اسے دیکھ جو تمام دنیا کا مالک بن گیا۔ کیا اس نے روئی اور کفن کے بغیر کسی چیز سے راحت پائی؟

ابن عربی نے کہا: اس بارے میں میرے پاس سب سے عمدہ قتادہ کا قول ہے: تو اپنا حلال حصہ نہ بھول، یہ دنیا میں سے تیرا حصہ ہے۔ یہ کتنا اچھا قول ہے؟

وَ اَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر اور اس کی عبادت کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر انعام کیا ہے اسی معنی میں حدیث طیبہ ہے ما الاحسان احسان کیا ہے (1)؟ فرمایا: أن تعبد الله كأنك تراه تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مساکین کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم ہے۔ ابن عربی نے کہا: اس میں بے شمار اقوال ہیں ان سب کا جامع یہ قول ہے: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی طاعت میں استعمال کرو۔ امام مالک نے کہا: بغیر اسراف کے کھانا اور پینا۔ ابن عربی نے کہا: میرا خیال ہے امام مالک نے ان لوگوں کا رد کرنے کا ارادہ کیا ہے جو عبادت اور بدحالی میں غلو کرتے ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حلوہ (میٹھی چیز) کو پسند فرماتے، شہد پیتے، بھنی ہوئی چیز استعمال کرتے اور ٹھنڈا پانی پیا کرتے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ نافرمانیاں نہ کیا کرو۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ اَوَ لَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَ لَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

"یہ (دولت و ثروت) اس علم کی وجہ سے جو میرے پاس ہے کیا اس (مغرور) کو اتنا علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر ڈالیں اس سے پہلے تو میں جو اس سے قوت میں کہیں سخت اور دولت جمع کرنے میں کہیں زیادہ تھیں، اور نہیں دریافت کیے جائیں گے مجرموں سے ان کے گناہ"۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ مراد علم تورات ہے یہ اس سے روایت کیا گیا ہے جو تمام لوگوں میں سے زیادہ قاری ہیں اور ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ وہ ان ستر علماء میں سے ایک تھا جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے میقات کے لیے منتخب کیا تھا۔ ابن زید نے کہا: مجھے یہ اس لیے عطا کیا گیا کیونکہ وہ میری فضیلت اور اس کی مجھ سے رضا سے آگاہ تھا (2)۔ قول: عِنْدِيْ اس کا معنی ہے میرے ہاں اس کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ خزانے عطا کیے ہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اپنی فضیلت کی وجہ سے میں ان کا مستحق ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مجھے یہ عطا کیا گیا ہے کہ میرے پاس تجارت اور کمائی کے مختلف ذرائع ہیں: یہ علی بن عیسیٰ کا نقطہ نظر ہے (3) اسے یہ علم نہیں تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے مال کمانے کو آسان نہ کرتا تو یہ اموال اس

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 27　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 268　3۔ ایضاً

کے پاس جمع نہ ہوتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیونکہ میرے پاس سونے کے کام کا علم ہے۔ اس نے علم کیمیا کی طرف اشارہ کیا۔ نقاش نے بیان کیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے کیمیا کی صنعت کا حضرت یوشع کو ایک تہائی اور حضرت ہارون کو ایک تہائی علم عطا کیا۔ قارون نے ان دونوں کے ساتھ دھوکہ کیا جب کہ وہ اس وقت حضرت موسیٰ پر ایمان رکھتا تھا یہاں تک کہ ان دونوں کے پاس جو علم کیمیا تھا وہ بھی سیکھ لیا اور کیمیا کا عمل کیا تو اس کے اموال بہت زیادہ ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تین افراد کو علم کیمیا سکھایا یوشع بن نون، کالب بن یوحنا اور قارون؛ زجاج نے پہلے قول کو پسند کیا اور اس کے قول کا انکار کیا جس نے کہا: وہ کیمیا کا عمل کرتا تھا۔ اس نے کہا: کیمیا باطل ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بہن کو علم کیمیا سکھایا جو قارون کی بیوی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے قارون کو علم سکھایا؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اَوَ لَمۡ یَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ قَدۡ اَهۡلَكَ مِنۡ قَبۡلِهٖ یعنی عذاب کے ساتھ ہلاک کیا۔ مِنَ الۡقُرُوۡنِ گزشتہ کافر امتوں میں سے۔ مَنۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُ قُوَّةً وَّ اَكۡثَرُ جَمۡعًا مال زیادہ جمع کرنے والے تھے۔ اگر مال فضیلت پر دلالت کرتا تو انہیں ہلاک نہ کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قوت سے مراد آلات ہیں اور جمع سے مراد اعوان و انصار ہیں۔ کلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے قارون کے لیے خبردار کرنے کے طریقہ پر واقع ہوئی ہے، یعنی کیا قارون نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل کن امتوں کو ہلاک کیا؟

وَ لَا یُسۡـَٔلُ عَنۡ ذُنُوۡبِهِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ان سے سوال رضا مندی طلب کرنے کے لیے نہیں ہوگا جس طرح فرمایا: وَ لَا هُمۡ یُسۡتَعۡتَبُوۡنَ ﴿۳۵﴾ (الجاثیہ) وَ اِنۡ یَّسۡتَعۡتِبُوۡا فَمَا هُمۡ مِّنَ الۡمُعۡتَبِیۡنَ ﴿۲۴﴾ (فصلت) ان سے سوال ان کو شرمندہ کرنے کے لیے ہو گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَوَ رَبِّكَ لَنَسۡـَٔلَنَّهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۹۲﴾ (الحجر) یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے(1)۔ مجاہد نے کہا: ملائکہ کل قیامت کے روز مجرموں سے سوال نہیں کریں گے کیونکہ وہ ان کو ان کے چہروں سے ہی پہچان لیں گے(2)۔ قیامت کے روز انہیں سیاہ چہروں اور نیلی آنکھوں کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔ قتادہ نے کہا: مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا کیونکہ وہ ظاہر ہوں گے اور کثیر ہوں گے، بلکہ وہ بلا حساب آگ میں داخل ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس امت کے مجرموں سے سابقہ امتوں کے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا جن کو دنیا میں عذاب دیا گیا؛ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سابقہ امتوں میں سے جن کو بھی ہلاک کیا وہ ان کے گناہوں کو جانتے ہوئے ہلاک کیا ان کے گناہوں کو پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

فَخَرَجَ عَلٰی قَوۡمِهٖ فِیۡ زِیۡنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیۡنَ یُرِیۡدُوۡنَ الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا یٰلَیۡتَ لَنَا مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِیَ قَارُوۡنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ ﴿۷۹﴾ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَیۡلَكُمۡ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیۡرٌ لِّمَنۡ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوۡنَ ﴿۸۰﴾

1۔ الماوردی، جلد 4، صفحہ 268 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 300

''الغرض (ایک دن) وہ نکلا اپنی قوم کے سامنے بڑی زیب و زینت کے ساتھ کہنے لگے وہ لوگ جو آرزو مند تھے دنیوی زندگی کے: اے کاش! ہمیں بھی اسی قسم کا (جاہ و جلال) نصیب ہوتا جیسے دیا گیا ہے قارون کو واقعی وہ تو بڑا خوش نصیب ہے اور کہا ان لوگوں نے جنہیں (دنیا کی بے ثباتی کا) علم دیا گیا تھا: حیف تمہاری عقل پر! اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لیے جو ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے اور نہیں مرحمت کی جاتی یہ نعمت بجز صبر کرنے والوں کے''۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ، عَلٰى قَوْمِهٖ سے مراد بنی اسرائیل پر ہے۔ اس حالت میں جو اس نے دنیاوی زندگی کے سامان میں سے جس میں زینت دیکھی اس کے ساتھ وہ ان پر نکلا یعنی کپڑے چوپائے اور عید کے دن بناؤ سنگھار۔ غزنوی نے کہا: مراد ہفتہ کا دن ہے فِيْ زِيْنَتِهٖ یہ مع زینتہ کے معنی میں ہے۔ شاعر نے کہا:

إذا ما قلوب القومِ طارت مخافةً من الموت أرسوا بالنفوس المواجد

شعر میں بالنفوس، مع النفوس کے معنی میں ہے وہ ستر ہزار پیروکاروں کے ساتھ نکلا جن کے جسم پر عصفر سے رنگے ہوئے کپڑے تھے۔ وہ پہلا شخص تھا جس کے لیے کپڑوں کو عصفر سے رنگا گیا تھا۔

سدی نے کہا: وہ ہزار سفید رنگ کی لونڈیوں، سفید خچروں پر نکلا جن خچروں پر سونے کی زینیں تھیں اور ارجوانی (سرخ) کپڑے ان پر پڑے ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سرخ خچروں پر نکلا۔ مجاہد نے کہا: سفید ترکی گھوڑوں پر نکلا جن پر سرخ زینیں تھیں ان کے بدنوں پر عصفر سے رنگے کپڑے تھے۔ یہ پہلا دن تھا جس میں عصفر سے رنگ کپڑے دیکھے گئے۔ قتادہ نے کہا: وہ چار ہزار سواریوں پر نکلا جن پر سوار لوگوں نے سرخ کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے۔ ان جانوروں میں سے ایک ہزار سفید خچر تھے جن پر سرخ کپڑے ڈالے گئے تھے۔ ابن جریج نے کہا: وہ سیاہی مائل سفید رنگ کے خچروں پر نکلا جن پر سرخ رنگ کے کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ تین سو لونڈیاں تھیں جو سیاہی مائل سفید رنگ کے خچروں پر سوار تھیں جن کے جسموں پر سرخ رنگ کے کپڑے تھے۔ ابن زید نے کہا: وہ ستر ہزار افراد میں نکلا جن پر عصفر بوٹی سے رنگے ہوئے کپڑے تھے (1)۔ کلبی نے کہا: وہ سبز کپڑوں میں نکلا اللہ تعالیٰ نے وہ کپڑا جنت سے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا۔ قارون نے یہ کپڑا (2) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چوری کر لیا تھا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کی زینت سرخ رنگ تھی۔

میں کہتا ہوں: قرمز سرخ رنگ جو ارجوان کی مثل ہوتا ہے ارجوان لغت میں سرخ رنگ کو کہتے ہیں؛ قشیری نے اس کو ذکر کیا ہے۔ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ، حَظٍّ عَظِيْمٍ سے مراد دنیا کا وافر حصہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس وقت کے مومنوں کا قول ہے۔ انہوں نے دنیا میں رغبت کی بنا پر اس کے مال کی مثل کی آرزو کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایسے لوگوں کا قول ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی اس میں رغبت رکھتے تھے وہ کفار تھے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 269

2۔ یہ جتنے بھی اقوال ذکر کیے گئے ہیں اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں اس لیے کوئی حتمی بات نہیں کی جا سکتی۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ بنی اسرائیل کے علماء نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے قارون کے مکان کو حاصل کرنے کی خواہش کی تھی: وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ اللہ تعالیٰ کے ثواب سے مراد جنت ہے لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ یعنی اعمال صالحہ یا آخرت میں جنت صرف انہیں کو ملے گی جو اللہ تعالیٰ کی طاعت پر صبر کریں گے۔ یہاں ضمیر ذکر کرنا جائز ہے کیونکہ ثَوَابُ اللّٰهِ سے یہی مراد ہے۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ اَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ ۚ لَوْ لَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

''پس ہم نے غرق کر دیا اسے بھی اور اس کے گھر کو بھی زمین میں تو نہ تھی اس کے حامیوں کی کوئی جماعت جو (اس وقت) اس کی مدد کرتی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اور وہ خود بھی اپنا انتقام نہ لے سکا۔ اور صبح کی ان لوگوں نے جو کل تک اس کے مرتبہ کی آرزو کر رہے تھے یہ کہتے ہوئے: (اوہو!) اب پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے) اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں گاڑھ دیتا، اوہو! (اب پتہ چلا) کہ کفار بامراد نہیں ہوتے''۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ مقاتل نے کہا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا تو زمین نے اسے نگل لیا بنی اسرائیل نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اس لیے ہلاک کیا ہے تاکہ اس کے مال کا وارث بن جائے، کیونکہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے، اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا اور تین دن کے بعد اس کے تمام اموال کو بھی زمین میں دھنسا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ تیرے بعد زمین کو کسی کی اطاعت کرنے کا حکم نہیں دوں گا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: خَسَفَ الْمَكَانُ يَخْسِفُ خُسُوفًا۔ مکان زمین میں چلا گیا۔ خسف الله به الارض خسفا اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں غائب کر دیا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ وہ زمین میں دھنس گیا، اسے زمین میں دھنسا دیا گیا۔ خسوف القمر سے مراد چاند کا گرہن لگ جانا ہے۔ ثعلب نے کہا: كَسَفَتِ الشَّمْسُ، خَسَفَ الْقَمَرُ یہ عمدہ کلام ہے۔ خسف کا معنی نقصان ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رضی فلان بالخسف وہ کم حصہ پر راضی ہو گیا۔

فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ فئة سے مراد جماعت اور جتھہ ہے۔ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ اس پر خسف کی صورت میں جو عذاب نازل ہوا اس سے بچنے والا نہیں تھا۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ قارون ہر روز انسان کی قامت کے برابر نیچے جاتا ہے یہاں تک کہ جب زمین کی انتہائی گہرائی تک جا پہنچے گا تو حضرت اسرافیل صور پھونک دیں گے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَ اَصۡبَحَ الَّذِیۡنَ تَمَنَّوۡا مَكَانَهٗ بِالۡاَمۡسِ وہ اس آرزو پر شرمندہ ہوں گے۔ یَقُوۡلُوۡنَ وَیۡكَاَنَّ اللّٰهَ، وی حرف ندامت ہے۔ نحاس نے کہا: اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے ان میں سے سب سے اچھا قول خلیل، سیبویہ، یونس اور کسائی کا قول ہے قوم متنبہ ہوئی یا انہیں متنبہ کیا گیا انہوں نے کہا: وی۔ عربوں میں شرمندگی کا اظہار کرنے والا شرمندگی کے دوران وی کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ جوہری نے کہا: وی کلمہ تعجب ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: ویك، وی لعبد الله۔ تجھ پر تعجب ہے، الله کے بندے پر تعجب ہے۔ بعض اوقات وی کا لفظ کان مخففہ اور مشددہ پر داخل ہوتا ہے تو کہتا ہے: وَیۡكَاَنَّ اللّٰهَ۔ خلیل نے کہا: یہ مفصول ہے تو کہتا ہے: وی پھر نئے سرے سے کلام شروع کرتا ہے اور تو کہتا ہے: کان۔ ثعلبی نے کہا: فراء نے کہا: یہ کلمہ تقریر ہے جس طرح تیرا قول ہے: أما تری إلی صنع الله وإحسانه کیا تو الله تعالیٰ کی کاری گری اور اس کے احسان کی طرف نہیں دیکھتا۔ یہ ذکر کیا کہ ایک بدوی عورت نے اپنے خاوند سے کہا: این ابنك ویلك اس نے جواب دیا: وی کأنه وراء البیت یعنی کیا تو اسے دیکھتی نہیں وہ گھر کے پیچھے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ویك کلمہ ابتدا اور کلمہ تحقیق ہے؟ اس کی تقدیر کلام یہ ہے ان الله یبسط الرزق۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلمہ تنبیہ ہے آلا کی جگہ استعمال ہوتا ہے جس طرح آلا تفعل اور أما کے قائم مقام ہوتا ہے جو تیرے قول: اما بعد میں ہے، شاعر نے کہا:

سَأَلَتَانِي الطَّلَاقَ إِذْ رَأَتَانِي ۔۔۔ قَلَّ مَالِي قَدْ جِئْتُمَانِي بِنُكْرِ(1)

وَيْ كَأَنْ مَنْ يَكُنْ لَهُ نَشَبٌ يُحِبُّ ۔۔۔ وَمَنْ يَفْتَقِرْ يَعِشْ عَيْشَ ضُرِّ

ان دونوں نے مجھ سے طلاق کا سوال کیا جب انہوں نے مجھے دیکھا کہ میرا مال کم ہو گیا ہے تحقیق تم عجیب مطالبہ لائی ہو۔ خبردار جب آدمی کے پاس مال ہو اس سے محبت کی جاتی ہے اور جو فقیر ہوتا ہے وہ تکلیف کی زندگی بسر کرتا ہے۔

قطرب نے کہا: یہ اصل میں ویلك ہے اس کا لام حذف ہو گیا اور کاف جو خطاب کا ہے اس کے ساتھ ملا دیا گیا۔ عنترہ نے کہا:

وَلَقَدْ شَفَى نَفْسِي وَأَبْرَأَ سُقْمَهَا ۔۔۔ قِيلُ الْفَوَارِسِ وَيْكَ عَنْتَرُ أَقْدِمِ(2)

میرے نفس کو شفا دی اور اس کی بیماری کو ٹھیک کر دیا شاہسواروں کے اس قول نے: تو ہلاک ہوا ے عنتر! آگے بڑھو۔

نحاس اور دوسرے علماء نے اس کا انکار کیا ہے کیونکہ معنی صحیح نہیں کیونکہ قوم ایک فرد کو خطاب نہیں کرتی کہ وہ اسے کہے: ویلك اگر یہ ایسے ہوتا تو انہ کسرہ کے ساتھ ہوتا نیز ویلك سے لام حذف کرنا جائز نہیں۔ ان میں سے بعض نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے ویلك اعلم انہ تو اعلم کو مضمر کر دیا۔ ابن اعرابی نے کہا: ویکان الله اعلم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے الم تر ان الله۔ قتبی نے کہا: اس کا معنی ہے رحمة لك: یہ حمیر کی لغت میں ہے۔ کسائی نے کہا: وی اس میں تعجب کا معنی ہے (3)۔ اس سے یہ بھی مروی ہے کہ وی پر وقف ہے اور کہا: یہ تعجب کا کلمہ ہے۔ جس نے کہا: ویك اور کاف پر وقف کیا تو اس کا معنی ہے خوش ہو جا کیونکہ الله تعالیٰ رزق کو فراخ کرنے والا ہے اور خوش ہو جا کیونکہ کافر فلاح نہیں پائیں گے۔ یہ بھی مناسب ہے کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 140 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 270 3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 302

کاف حرف خطاب ہو یہ اسم نہ ہو کیونکہ وہ ان کلمات میں سے نہیں جن کو مضاف کیا جاتا ہے اسے اکٹھے لکھا جاتا ہے جب اس کا استعمال زیادہ ہوا اسے مابعد کے ساتھ ایک چیز بنادیا گیا۔

لَوْلَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا اگر اللہ تعالیٰ ایمان اور رحمت کے ساتھ ہم پر احسان نہ فرماتا اور قارون جس بغاوت اور تکبر پر تھا اس سے ہمیں محفوظ نہ رکھتا لَخَسَفَ بِنَا تو وہ ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا۔ اعمش نے پڑھا لولا من اللہ علینا۔ حفص نے پڑھا لخسف بنا تو یہ معروف کا صیغہ ہے۔ باقی قراء نے اسے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے؛ یہ ابو عبیدہ کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ عبداللہ کی قراءت لا نخسف بنا جس طرح تو کہتا ہے: انطلق بنا اسی طرح اعمش اور طلحہ بن مصرف نے قراءت کی۔ ابو حاتم نے دو وجوہ سے جماعت کی قراءت کو پسند کیا ہے ان دونوں میں سے ایک قول ہے: فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ۔ دوسرا قول: لَوْلَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اولیٰ ہے کیونکہ یہ اس کے قریب اسم ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزَی الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

''یہ آخرت کا گھر ہم مخصوص کر دیں گے اس (کی نعمتوں) کو ان لوگوں کے لیے جو خواہش نہیں رکھتے زمین میں بڑا بننے کی اور نہ فساد برپا کرنے کی اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے جو کرتا ہے نیکی تو اس کے لیے بہتر صلہ ہے اس نیکی سے اور جو ارتکاب کرتا ہے برائی کا تو نہ بدلہ دیا جائے گا انہیں جنہوں نے بدکاریاں کیں مگر اتنا جتنا انہوں نے کیا''۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ مراد جنت ہے اسم اشارہ بعید کا ذکر اس کی تعظیم اور تفخیم شان کے لیے ہے یعنی وہ جس کا ذکر تو نے سنا اور تجھ تک اس کا وصف پہنچا۔ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ یعنی ایمان اور مومنین پر بلندی اور تکبر کا ارادہ نہیں کرتے۔ وَ لَا فَسَادًا معاصی پر عمل کرنا؛ یہ ابن جریج اور مقاتل کا نقطہ نظر ہے۔ عکرمہ اور مسلم بطین نے کہا: فساد سے مراد ناحق مال لینا ہے(1)۔ کلبی نے کہا: غیر اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دینا ہے(2)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: اس سے مراد انبیاء اور مومنین کو قتل کرنا ہے۔

وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ضحاک نے کہا: عاقبۃ سے مراد جنت ہے۔ ابو معاویہ نے کہا: الذی لا یرید علوا سے مراد وہ ہے جو دنیا کی ذلت پر جزع فزع نہیں کرتا اور اس میں عزت حاصل کرنے کے لیے مقابلہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان میں سے سب سے بلند وہ ہے جو ان میں سے سب سے متواضع ہے اور آخرت میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہوگا جو آج ان سب سے زیادہ عاجزی کو لازم کرنے والا ہوگا۔ سفیان بن عیینہ نے اسماعیل بن خالد سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی بن

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 271
2۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 262

طالب رضی اللہ عنہما مساکین کے پاس سے گزرے جو کھانے کے ٹکڑے کھا رہے تھے حضرت علی بن طالب نے انہیں سلام کیا تو مساکین نے انہیں کھانے کی دعوت دی تو آپ نے اس آیت کو تلاوت کیا: تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ پھر آپ سواری سے اترے اور ان کے ساتھ کھانا کھایا۔ پھر فرمایا: میں نے تمہاری دعوت قبول کی اور اب تم بھی میری دعوت قبول کرو آپ انہیں اپنے مکان پر لے آئے انہیں کھانا کھلایا، انہیں لباس پہنایا اور پھر روانہ کیا۔

ابو القاسم طبرانی سلیمان بن احمد نے اسے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن احمد بن حنبل اپنے باپ سے وہ سفیان بن عیینہ سے روایت نقل کرتے ہیں اور اس روایت کو ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الدَّارُ الْاٰخِرَةُ کا لفظ ثواب اور عقاب کو شامل ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس گھر سے وہی فائدہ اٹھاتا ہے جو تقویٰ کو اختیار کرے اور جو تقویٰ اختیار نہ کرے تو یہ گھر اس کے لیے نہیں کیونکہ وہ دار اس کو نقصان دیتا ہے اور اسے نفع نہیں دیتا۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا سورۂ نمل میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ عکرمہ نے کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ معنی ہے جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لایا اس کے لیے اس میں سے خیر ہے۔ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ سیئہ سے مراد شرک ہے فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ ایسی سزا دیتا ہے جو اس کے عمل کے لائق ہو۔

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّيْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَ مَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ يُّلْقٰۤى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَ لَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَ ادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَ لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

”(اے محبوب!) یقیناً وہ (قادر مطلق) جس نے آپ پر قرآن کی تبلیغ فرض کی ہے آپ کو واپس لے جائے گا جہاں آپ چاہتے ہیں آپ فرمائیے: میرا رب خوب جانتا ہے اسے جو آیا ہدایت یافتہ ہو کر اور اسے بھی جو کھلی گمراہی میں ہو۔ اور آپ کو تو یہ امید نہ تھی کہ نازل کی جائے گی آپ کی طرف کتاب مگر یہ محض رحمت ہے آپ کے رب کی (جو آپ کو صاحب قرآن بنا دیا) تو آپ ہرگز کافروں کے مددگار نہ بنیں اور (خیال رہے) وہ ہرگز نہ روکیں آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات سے اس کے بعد کہ وہ اتاری گئیں آپ کی طرف اور بلایئے (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف اور ہرگز نہ ہو جانا شرک کرنے والوں سے۔ اور نہ پکارو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے، اسی کی حکمرانی ہے اور اس کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا“۔

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ سورت کا اختتام اپنے نبی کو بشارت دیتے ہوئے کیا کہ وہ حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ کی طرف اپنے دشمنوں پر غلبہ دیتے ہوئے لوٹائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آپ کو جنت کی بشارت ہے؛ پہلا قول اکثر علماء کا ہے؛ یہ حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت ابن عباس، مجاہد وغیرہم کا قول ہے(1)۔ قتبی نے کہا: معاد الرجل سے مراد اس کا ملک وشہر ہے کیونکہ وہ وہاں سے جاتا ہے پھر واپس لوٹ آتا ہے۔ مقاتل نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلاش کے خوف سے غیر معروف راستہ سے غار ثور سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے۔ جب راستے تک پہنچے اور جحفہ میں فروکش ہوئے تو مکہ مکرمہ کی طرف جانے والے راستہ سے آگاہ ہوئے تو مکہ مکرمہ کے مشتاق ہوئے تو جبریل امین نے آپ سے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ یعنی مکہ مکرمہ کی طرف غلبہ دیتے ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت جحفہ کے مقام پر نازل ہوئی۔ یہ نہ مکی ہے نہ مدنی ہے(2)۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: اِلٰی مَعَادٍ سے مراد موت تک ہے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے نیز عکرمہ، زہری اور حضرت حسن بصری سے مروی ہے معنی ہے تجھے یوم قیامت کی طرف لوٹانے والا ہے؛ یہ زجاج کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: میرے اور تیرے درمیان یوم قیامت ہے، کیونکہ اس میں لوگ زندہ لوٹیں گے۔ فرض کا معنی ہے اس نے نازل کیا۔ مجاہد، ابو مالک اور ابو صالح سے اِلٰی مَعَادٍ کا معنی جنت تک نقل کیا ہے؛ یہ حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے(3)، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیلۃ المعراج کو اس میں داخل ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ آپ کے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام اس سے نکلے تھے۔

قُلۡ رَّبِّیۡۤ اَعۡلَمُ کفار مکہ سے کہو: جب انہوں نے یہ کہا تھا: انك لفی ضلال مبین

رَبِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَنۡ جَآءَ بِالۡهُدٰی وَ مَنۡ هُوَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ کہ میں گمراہ ہوں یا تم گمراہ ہو۔

وَ مَا کُنۡتَ تَرۡجُوۡۤا اَنۡ یُّلۡقٰۤی اِلَیۡکَ الۡکِتٰبُ تو نہیں جانتا کہ ہم تجھے مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجیں گے اور تجھ پر قرآن نازل کریں گے۔ اِلَّا رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ کسائی نے کہا: یہ مستثنیٰ منقطع ہے، الا، لکن کے معنی میں ہے۔ فَلَا تَکُوۡنَنَّ ظَهِیۡرًا لِّلۡکٰفِرِیۡنَ یعنی کفار کے مددگار نہ بنو۔ سوا اس سورت میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَ لَا یَصُدُّنَّکَ عَنۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعۡدَ اِذۡ اُنۡزِلَتۡ اِلَیۡکَ یعنی ان کے اقوال، ان کا جھوٹ اور ان کی اذیت تجھے نہ روکے، ان کی طرف متوجہ نہ ہو جایئے اور اپنے معاملہ پر گامزن رہیے۔ یعقوب نے یصدنك نون کی جزم کے ساتھ پڑھا۔ اسے یُصِدُّنَّکَ بھی پڑھا گیا ہے یہ اصدہ جو صدہ کے معنی میں ہے سے مشتق ہے یہ بنو کلب کی لغت میں ہے۔

شاعر نے کہا:

أُنَاسٌ أصدوا الناسَ بالسيف عنهم

وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے لوگوں کو تلوار کے ساتھ ان سے روکا۔

وَ ادۡعُ اِلٰی رَبِّکَ اپنے رب کی توحید کی طرف دعوت دو یہ اپنے ضمن میں ایک دوسرے سے لاتعلقی کے معنی کو لیے ہوئے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 303 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 272

ہے۔ یہ سب آیۃ سیف سے منسوخ ہے۔ اس آیت کا سبب وہ دعوت ہے جو قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بتوں کی تعظیم کی دعوت دی۔ اسی موقع پر شیطان نے آپ کی آرزو میں غرانیق (1) کا معاملہ ڈالا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو کیونکہ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** ہے، تمام معبودوں کی نفی ہے اور اس کی عبادت کا اثبات ہے۔ **كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ**۔ مجاہد نے کہا: **اِلَّا وَجْهَهٗ** سے مراد ہے **اِلَّا هُوَ**۔ صادق نے کہا: مگر اس کا دین۔ ابو العالیہ اور سفیان نے کہا: مراد ہے الا ما ارید به وجهه قربت کے ساتھ جس کا قصد کیا جائے (2)۔ شاعر نے کہا:

أَسْتَغْفِرُ اللهَ ذَنْبًا لستُ مُحْصِيَه رَبَّ العبادِ إليه الوَجْهُ والْعَمَلُ (3)

میں اللہ تعالیٰ سے گناہ کی بخشش کا طالب ہوں جو بندوں کا پالن ہار ہے میں ان گناہوں کو شمار نہیں کر سکتا اسی کے لیے میری ذات اور میرا عمل ہے۔

محمد بن یزید نے کہا: ثوری نے مجھے بیان کیا کہ میں نے ابو عبیدہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: **كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ** کے بارے میں سوال کیا فرمایا: **اِلَّا وَجْهَهٗ** جس طرح تو کہتا ہے: لفلان وجه فی الناس فلاں کی لوگوں میں شان و شوکت ہے۔ **لَهُ الْحُكْمُ** دنیا و آخرت میں اس کا حکم ہے۔ **وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ** زجاج نے کہا: **وَجْهَهٗ** مستثنیٰ کے طور پر منصوب ہے اگر یہ قرآن کے علاوہ میں ہوتا تو **اِلَّا وَجْهُهٗ** مرفوع ہوتا۔ معنی ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر شے ہلاک ہونے والی ہے۔ جس طرح فرمایا:

وكلُّ أخٍ مُفارِقُهُ أخوه لَعَمْرُ أبيكَ إلّا الفَرْقَدانِ

ہر بھائی اپنے بھائی سے جدا ہونے والا ہے تیرے باپ کی قسم مگر فرقدان۔

وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اسی کی طرف تم کو لوٹایا جائے گا۔

1۔ تحقیق سے ثابت ہے کہ غرانیق والا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 273 3۔ ایضاً